مجموعۂ مضامین _ جلد ۳

- نظامِ پاکستان کے اسلامی پہناوے (۳ اقساط)
- پاکستان کا نظام
- جمہوریت ابلیسی نظام
- دینی سیاسی جماعتیں اور جمہوری نظام
- جمہوریت اور اسلام (مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا یوسف لدھیانوی)
- ووٹ کی شرعی حیثیت
- اسرائیل کو تسلیم کرنے میں جلدی کیوں

مرتب کردہ : امیر حمزہ

ٹیلی گرام چینل : نظامِ اسلام بمقابلہ نظامِ باطلہ t.me/medbh

یہ مضامین مجلہ نوائے افغان جہاد کے مختلف شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔

نظام پاکستان کے ''اسلامی پہناوے''

مولوی احمد حنظلہ

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ(البقرۃ:۴۲)

اور حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ مت کرو اور جانتے بوجھتے ہوئے حق کو نہ چھپاؤ۔

''پیغام پاکستان'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ فتنۂ وطنیت وجمہوریت تاریخ اسلام کے ان چند فتنوں میں سے ہے جس کے تھپیڑوں نے امت مسلمہ کے وجود پر دیرپا اثرات چھوڑے ہیں۔

یہ ایسے تاریک فتنے ہیں جہاں صرف علم کی شمعیں کافی نہیں بلکہ نورِ نبوت سے ہی راہ حق کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ فتنۂ جمہوریت' اللہ کے مقابلہ میں اس نظام کو معبود بنانے کا فتنہ ہے! قانون سازی کا حق اللہ تبارک وتعالیٰ سے لے کر اس نظام کو دے دینے کا فتنہ ہے! اللہ کے قوانین کو منظور ہونے کے لیے غیر اللہ کا محتاج بنانا، مسلمان کو اللہ کی عبادت سے نکال کر غیر اللہ کی عبادت میں اس طرح داخل کر دینا کہ اُسے معلوم نہ ہی پڑے۔ یہ موج در موج امڈ تا فتنہ ہے کہ جہاں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا، کوئی دلیل سمجھ میں نہیں آتی اور جس کا کفر سے بھرا وجود' سراپا بے ضرر اور اسلام سے غیر متصادم نظر آتا ہے۔

سو اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ جمہوریت صرف ایک فتنہ نہیں بلکہ فتنوں کو جنم دینے والی ایسی متعدی بیماری ہے جو امت مسلمہ کے وجود سے کچھ اس طرح چمٹی ہے جیسے جونک' جسم سے چمٹ جایا کرتی ہے۔

چونکہ ''پیغام پاکستان'' میں عوام کو گمراہ کرنے کے واسطے ''اسلامی اور جمہوری'' کی اصطلاح کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگو کو یہ باور کروایا جا سکے کہ اسلام اور جمہوریت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ اس دھوکے سے عوام الناس کو نکالنے کے لیے ضروری ہے کہ جمہوریت اور اسلام کی الگ الگ تعریف بیان کر دی جائے تاکہ عوام کو بتایا جا سکے کہ اسلام اور جمہوریت' دو الگ الگ دین ہیں۔ یہ کبھی بھی ایک نہیں ہو سکتے چاہے درباری علماء' جمہوریت کو کتنی ہی بار کلمہ پڑھا دیں! جمہوریت ایک الگ دین اور ایک الگ نظام ہی رہے گا! وہ کبھی مسلمان نہیں ہو سکتی!

جمہوریت کیا ہے؟

چونکہ یہ ایک اصطلاح ہے جس کو خاص معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا اصطلاح کا اصول ہے کہ اس کی وہی تعریف معتبر ہو گی جو اس کو وضع کرنے والوں نے بیان کی ہے۔

جمہوریت کے معنی:

جمہوریت کے معنی عوام کی حاکمیت کے ہیں۔

Democracy: Free and equal representation of people.

A government in which the supreme power is vested in the people and exercised by them directly or indirectly through a system of representation use involving periodically: A system of government based on the principle of majority decision-making.

''جمہوریت: عوام کی مساوی اور آزادانہ نمائندگی

ایک ایسا نظام حکومت جس میں حاکمیت اعلی عوام کو تفویض کی گئی ہو اور ان کی طرف سے براہ راست یا بالواسطہ طور پر نمائندگی کے نظام کے ذریعہ مختلف ادوار کے لیے استعمال ہوتی ہو۔

ایسا نظام حکومت جس میں فیصلہ سازی کے لیے اکثریتی اصول کارفرما ہو''۔

جمہوریت: لوگوں کی آزادی اور مساوی نمائندگی۔

ایک ایسا نظام حکومت جس میں حاکمیت اعلیٰ عوام کے پاس ہوتی ہے اور عوام ہی بالواسطہ یا بلا واسطہ حکومت چلاتے ہیں۔ نظام میں عوام کی نمائندگی ہوتی ہے جو بالعموم ہر کچھ عرصے بعد آزاد انتخابات کے ذریعے نمائندے کا انتخاب کر کے کی جاتی ہے۔

جمہوری نظام حکومت: ایک ایسا نظام حکومت جو اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ سازی کے اصولوں پر قائم ہو۔

ایک ایسا نظام جس میں حاکمیت اعلیٰ اللہ کے بجائے عوام کی ملکیت ہو(نعوذباللہ)۔ اور حکومت عوام کے ذریعے قائم کی جائے۔ ایک عالم اور ایک جاہل ایک فاسق اور ایک پابند شرع کی رائے برابر ہو۔ ایک ایسی حکومت جس میں نظام زندگی کی استواری عقل انسانی کے ماتحت ہو، اس میں وحی کا کوئی عمل دخل سرے سے نہ ہو۔ جس چیز کو انسانی عقل وخواہش نفع قرار دے دے وہ (قانونی) نفع ہے اور جسے انسانی عقل وخواہش نقصان قرار دے وہ (غیر قانونی) یعنی حرام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وحی (قران وحدیث) کبھی اس عقل یا خواہش کے موافق ہو جائے لیکن اس نظام میں (قرآن وحدیث)[نعوذباللہ] اس وجہ سے قابل عمل نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے بلکہ اگر انسانوں کی اکثریت نے اِنہیں اس قابل سمجھا کہ ان پر عمل کیا جا سکتا ہے تو پھر اِنہیں قانون بنایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ جمہوریت کی تعریف یہ ثابت کرتی ہے کہ اس نظام میں انسانی عقل اور خواہشات کو قرآن وسنت (وحی) پر بھی بالادستی ہو گی۔

کیا جمہوریت اور اسلام ایک چیز ہیں؟

جمہوریت کو اسلام کہنے والوں کے دلائل:

الف: بعض لوگ جمہوریت کو اس دلیل کی بنا پر عین اسلام کہتے ہیں کہ اسلام بھی شخصی آزادی کا قائل اور جمہوریت بھی۔ لہٰذا جمہوریت ہی اسلام اور اسلام ہی جمہوریت ہے۔

ب: یہ کہتے ہیں کہ چونکہ شریعت بھی شورائی نظام کے تحت خلیفہ کا انتخاب کرتی ہے اور جمہوریت بھی اسی کی قائل ہے، لہٰذا دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

اس نظام شامل میں ایک طبقہ وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ اگر ملک کا آئین اسلامی ہو تو جمہوری نظام میں شریک ہونا کوئی گناہ نہیں۔ جیسا کے ''پیغام پاکستان'' میں درج ہے کہ سب سے پہلے قرارداد مقاصد کے ذریعے جس کی روسے آئین پاکستان میں یہ لکھ دیا گیا ہے کے حاکم اعلیٰ اللہ کی ذات ہے اور ریاست پاکستان اس بات کی پابند ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ اس اختیار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کی پابند ہو گی۔ کیا آئین میں صرف یہ لکھ دینے سے کے اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ ہے، آئین اسلامی ہو جاتا ہے؟ اور عمل بالکل اس کے برعکس ہو کون نہیں جانتا کہ اس ملک میں کتنے قوانین اسلامی ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اسی آئین کے تحت ہی اللہ کے احکامات سے کھلی بغاوت میں ۷۰ سال گزارے جا چکے ہیں!

کیا جمہوریت کفر ہے؟

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جمہوریت ایک اصطلاحی لفظ (Terminology) ہے۔ لہٰذا اس کی وہی تعریف معتبر ہو گی جو اس اصطلاح کو بنانے والوں نے کی ہے۔ اگر کوئی اپنی جانب سے اس کی من مانی تعریف کرتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔ اصطلاح کے صرف اسی معانی کا اعتبار کیا جاتا ہے جس معانی و مفہوم کے لیے اس کو بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا لفظ ''جمہوریت'' جب بھی بولا جائے اس کے وہی معانی مراد ہوں گے جو وضع کرنے والوں نے بیان کیے ہیں، جن کا ذکر سطورِ بالا میں گزر چکا ہے۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ ہم یہاں ''اسلامی جمہوریت'' نامی کسی فرضی تصور پر بات نہیں کر رہے کہ جو جمہوریت میں شریک بعض دینی حضرات کے بقول انہوں نے اقتدار میں آکر نافذ کرنا ہے۔ اس لیے کہ ۷۰ سال سے یہ فرضی تصور بس کتابوں تک ہی محدود ہے اور تاحال دنیا میں کہیں ظہور پذیر نہیں ہوا۔ جمہوریت کو اسلامی بنانا اسی طرح ناممکن ہے جیسے بت خانے کو اسلامی بت خانے اور شراب خانے کو اسلامی شراب خانے میں تبدیل کرنا۔ ہم یہاں موجودہ جمہوری نظام پر بات کر رہے ہیں جو ۷۰ سال سے عملاً نافذ ہے اور جس میں یہ دینی جماعتیں بھی شریک ہیں۔ بلاشبہ ملک میں بالفعل قائم و موجود یہ جمہوریت انہی معانی و مفاہیم کی حامل جمہوریت ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

جمہوری نظام بنانے والوں نے عام مسلمانوں کو زیادہ دھوکہ ان اصطلاحات کے ذریعے دیا ہے جو انہوں نے اس کے لیے وضع کی ہیں اور وہ انتہائی مکاری کے ساتھ ان کو استعمال کرتے ہیں۔ اگر کوئی بھی مسلمان ان اصطلاحات کے معنیٰ و مفہوم کو سمجھ لے تو اس پر اس جمہوریت کی حقیقت سورج کی طرح روشن ہو جائے گی۔

آئین بمعنیٰ شریعت:

اسلام میں لفظ ''شریعت'' جس معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے جمہوریت میں یہی معنی لفظ ''آئین'' کے ہیں۔ مثلا جیسے ہم یہ کہتے ہیں کے یہ کام شریعت کے مطابق ہے اور یہ شریعت کے خلاف ہے۔ اسی طرح جمہوریت میں یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں کام آئین کے مطابق اور فلاں آئین کے خلاف ہے۔ یعنی یہ آئینی ہے اور یہ غیر آئینی۔ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا انکار کرنے والا شریعت سے خارج ہو جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کی سزا موت ہے، اسی طرح جمہوریت کی شریعت (آئین) کا منکر بھی اس شریعت کا باغی کہلاتا ہے اگر توبہ نہ کرے تو بھارت میں اس کی سزا وہ ہے جو کشمیری مسلمانوں کو دی جا رہی ہے۔ جب کہ پاکستان میں اس کی سزا وہ ہے جو اہل سوات، قبائلی مسلمانوں اور جامعہ حفصہ کی طالبات کو دی گئی۔

نظریہ بمعنیٰ عقیدہ:

جمہوریت میں لفظ ''نظریہ'' اسی معنیٰ میں بولا جاتا ہے جس معنی میں شریعت میں لفظ ''عقیدہ'' بولا جاتا ہے۔ چنانچہ جمہوری لوگوں میں سے جب کوئی یہ کہے کہ ہمارا یہ نظریہ ہے تو اس کے معنی یہ ہیں وہ یہ کہہ رہا ہے کہ ''ہمارا یہ عقیدہ ہے!''۔

قانونی بمعنیٰ حلال:

جس طرح شریعت محمدی علی صاحبہا السلام میں ''حلال'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اسی طرح شریعتِ جمہوریت میں ''قانونی'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ شریعتِ جمہوریت میں سود لینا دینا قانونی (حلال) ہے، نعوذ باللہ۔

غیر قانونی بمعنیٰ حرام:

شادی شدہ زانی یا زانیہ کو گواہ ہونے کے باوجود سنگسار کرنا ''غیر قانونی'' ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جمہوریت کی شریعت میں ایسا کرنا ''حرام'' ہے۔

ڈیوٹی بمعنیٰ فرض:

جمہوریت کی شریعت میں جب ''ڈیوٹی'' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ کام انجام دینا اس پر فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کو ''عبادت'' بھی کہا جاتا ہے اور اگر وہ ڈیوٹی میں کوتاہی کرے تو سزا کا مستحق ٹھرتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی شریعت میں اس مفہوم کے لیے ''فرض'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کسی بات کو اپنے اوپر اس طرح لازم سمجھنا اس کے کرنے سے ثواب اور نہ کرنے سے گناہ یا عذاب وعقاب ملنے کا عقیدہ رکھنا۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

نظام پاکستان کے "اسلامی پہناوے"

مولوی احمد حنظلہ

معاہدہ اور صلح کا تصور، شریعت و جمہوریت میں:

کفر کی غلامی، جہاد کی نفرت، اور جینے کے شوق نے مسلمانوں کو اس قدر پست ہمت کر دیا کہ اصول و اقدار (principles and values) یکسر ہی الٹ گئے۔ ذلت کو عزت کہہ دیا گیا اور غلامی کو آزادی آج جمہوری لوگ کافروں کی غلامی اور ان سے اتحاد کو صلح اور معاہدہ کہہ دیتے ہیں اور سیرت کے واقعات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر دلیل دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہود مدینہ سے معاہدہ کیا تھا۔

اس واسطے ضروری ہے کہ شریعت کی رو سے معاہدے اور صلح کی تعریف بیان کر دی جائے ہم یہاں یہود مدینہ سے کیے گئے معاہدے کی شرائط اور اس کے پس منظر کو بیان کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں اور چاروں مذاہب کی بیان کردہ صلح اور معاہدہ کی تعریف کو بھی بیان کر رہے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ جس کو شریعت نے صلح اور معاہدہ کہا ہے اس میں اور جس کو ان جمہوریت زدہ اللہ کے نافرمانوں نے صلح اور معاہدہ کہا ہے اس میں کتنا فرق ہے!

ماضی کی طرح اس مرتبہ بھی پیغام پاکستان کے نام سے جاری بیانیے میں یہود مدینہ سے معاہدہ کو مثال بنانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عوام الناس کو دھوکہ دیا جاسکے۔ باطل کو حق کا لباس پہنا کر پیش کیا جاے تاکہ سادہ لوح مسلمان اس کو آسانی سے قبول کر لیں:

یہود مدینہ سے معاہدہ:

مدینہ منورہ میں اکثر و بیشتر آبادی اوس و خزرج کی تھی مگر عرصہ دراز سے یہاں یہودی بھی آباد تھے اور ان کی کافی تعداد تھی مدینہ منورہ اور خیبر میں ان کے مدرسے اور علمی مراکز قائم تھے اور خیبر میں ان کے متعدد قلعے تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے اور سرزمین حجاز میں بمقابلہ مشرکین ان کو علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا۔ ان لوگوں کو کتب سماویہ کے ذریعے نبی آخر الزماں کے احوال و اوصاف کا بخوبی علم تھا کما قال تعالیٰ: یعرفونه کما یعرفون ابناءھم: مگر طبیعت میں سلامتی نہ تھی حق سے حسد و عناد ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آتش حسد و عناد اور مشتعل ہو گئی اور سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہو گئی علماء اور احبار یہود میں سے جو صالح اور سلیم الفطرت تھے انہوں نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کو ظاہر کیا اور آپ پر ایمان لائے مگر اکثروں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور حسد و عناد ان کے لیے رکاوٹ بنا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حسد اور عناد، فتنہ اور فساد کے انسداد کے لیے ان سے ایک تحریری معاہدہ کیا تاکہ ان کی مخالفت اور عناد میں زیادتی نہ ہو اور مسلمان ان کے فتنہ و فساد سے محفوظ رہ سکیں۔ قرآن کریم یہود کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کے بیان سے بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد[5] یہود مدینہ سے ایک معاہدہ فرمایا جس میں ان کو اپنے دین اور اپنے اموال و املاک پر برقرار رکھ کر حسب ذیل شرائط پر ان سے ایک تحریری عہد لیا گیا۔ مفصل معاہدہ تو سیرت ابن ہشام اور البدایہ والنہایہ میں مذکور[6] ہے مگر اس کا خلاصہ حسب ذیل امور ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر عہد نامہ ہے محمد نبی اُمّیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، درمیان مسلمانانِ قریش ویثرب کے اور یہود کے کہ جو مسلمانوں کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ الحاق چاہیں ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر امور ذیل کا پابند ہوگا۔

1. قصاص اور خون بہا کے جو طریقے زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔
2. ہر گروہ کو عدل اور انصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا فدیہ دینا ہوگا، یعنی قبیلہ کا جو قیدی ہوگا اس قیدی کے چھڑانے کے لیے زرِ فدیہ کا دینا اسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔
3. ظلم اور اثم اور عدوان اور فساد کے مقابلہ میں سب متفق رہیں گے۔ اس بارے میں کسی کی رعایت نہ کی جائے گیا اگرچہ وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔
4. کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی کسی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔
5. ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ دینے کا وہی حق ہوگا جیسا کے ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کو ہوگا۔
6. جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ ان پر نہ کسی قسم کا ظلم ہوگا اور نہ ان کے مقابلہ میں ان کے دشمنوں کی کوئی مدد کی جائے گی۔
7. کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے مابین حائل ہو۔

---

[5] سیرۃ المصطفیٰ: اصل معاہدہ تو سیرۃ ابن ہشام اور البدایہ والنہایہ ج۳، ص ۲۲۴، میں مذکور ہے مگر اس میں تاریخ کا ذکر نہیں۔ معاہدہ کا ہجرت کے پانچ ماہ بعد ہونا تاریخ الخمیس ج ا، ص۳۹ سے لیا گیا ہے

[6] ابن ہشام، سیرۃالنبی، ج۲؛ ص۱۱۹-۱۲۰ ۔ابن کثیر ،البدایہ والنہایہ ج۳، ص۲۲۴

8. بوقت جنگ یہود کو جان و مال سے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہو گا۔ مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہو گی۔

9. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد لازم ہو گی۔

10. جو قبائل اس عہد اور حلف میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ اس حلف اور عہد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے علیحدگی اختیار کرنے کا مجاز نہ ہو گا۔

11. کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اس کو ٹھکانہ دینے کی اجازت نہ ہو گی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا یا اس کو اپنے پاس ٹھکانہ دے گا تو اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو گا۔

12. مسلمان اگر کسی سے صلح کرنا چاہیں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہو گا۔

13. جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا الا یہ کہ ولی مقتول دیت وغیرہ پر راضی ہو جائے۔

14. جب کبھی کوئی جھگڑا یا کوئی باہمی اختلاف آئے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا"۔

جن قبائل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاہدہ کیا ان میں یہود کے تین بڑے قبیلے شامل تھے جو مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہتے تھے۔ بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ۔ ان قبائل نے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے گریز کیا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ عہد نامہ لکھوایا تاکہ فتنہ و فساد نہ پھیلا سکیں، مگر تینوں قبیلوں نے یکے بعد دیگرے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور اسلام کی دشمنی اور اس کے خلاف سازشوں میں پورا پورا حصہ لیا، اپنے کیے کی سزا بھگتی غزوہ خیبر میں قتل کیے گئے اموال و باغات سے محرومی کے ساتھ ساتھ ذلیل ہو کر جزیرہ عرب سے نکالے گئے۔

ابو عبید کتاب الاموال میں فرماتے ہیں کہ یہ عہد نامہ جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کیا گیا اور اسلام اس وقت ضعیف تھا اور ابتدا میں یہ حکم تھا کہ اگر یہود مسلمانوں کے ساتھ کسی غزوہ میں شرکت کریں تو مال غنیمت میں سے ان کو کچھ دے دیا جائے۔

اسی وجہ سے یہود مدینہ پہ یہ شرط عائد کی گئی کہ جنگی اخراجات میں ان کو بھی حصہ لینا پڑے گا۔

معاہدہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معاہدہ مسلمانوں اور یہود کے درمیان اس طور پر ہوا کہ مسلمان متبوع ہوں گے اور یہود ان کے تابع ہوں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فریقین کے مسلمہ حاکم ہیں اور جب کوئی اختلاف پیش آئے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رجوع کرنا ہو گا اور جو آپ فیصلہ فرمائیں گے اس پر عمل کرنا ضروری ہو گا۔

یہ معاہدہ اس نوع کا ہے جیسے اہل اسلام اور ذمیین کے درمیان ہوتا ہے مگر بالکل اس جیسا نہیں اس لیے کہ ہجرت کے بعد کا وقت اسلام کے اقتدار اور ریاست کا بالکل آغاز ہے اس معاہدہ کی تمام دفعات از اول تا آخر اس امر کی شاہد ہیں کے اسلام کا حکم غالب رہے گا اور غیر مسلم قوم حکم اسلامی کے تابع رہیں گی جیسا کے سیر کبیر وغیرہ میں یہ شرط مصرح ہے۔ اس معاہدہ کو جواز بنا کر کفار سے دوستی کرنا اور ان کے حکم پر مسلمانوں کو قتل کرنا قید کرنا وغیرہ کیونکر ثبت کیا جاسکتا ہے؟ خواہ اسے دہشت گردی وانتہاپسندی، بغاوت کا نام ہی کیوں نہ دے دیا جائے۔ ذرا غور فرمائیں کہ ابتدائے اسلام کے دور میں بھی ایسا معاہدہ نہیں کیا گیا جس سے کسی بھی طور پر مسلمان محکوم نظر آئیں جب کہ اس کے برعکس آج ان حکمرانوں نے اپنا سب کچھ ان کفار کے سامنے پیش کر دیا ہے یہود نصاریٰ کو خوش کرنے کی خاطر آئے دن مسلمانوں کے علاقوں میں آپریشن کیے جاتے ہیں، دین پر چلنے والوں کو قید کیا جاتا ہے، ان کی عورتوں کو اٹھایا جاتا ہے، چند ڈالروں کی خاطر مظلوم مجاہدین کو کفار کے ہاتھوں فروخت کیا جاتا ہے۔ اور سب جرائم کو جواز بخشنے کے لیے سرکاری و سیاسی علما سے خدمات لی جاتی ہیں پیغام پاکستان کے نام سے حکومت پاکستان کا بیانیہ و فتویٰ اس کی تازہ ترین مثال ہے۔

صلح اور معاہدہ سے متعلق آئمہ کے اقوال:

فقہائے احناف:

الصلح علیٰ ترک القتال مؤقتا۔

"ایک مدت تک قتال چھوڑنے پر صلح کرنا"۔[7]

فقہائے مالکیہ:

صلح الحربی مدة لیس ہو فیہا تحت حکم الاسلام۔

"حربی سے ایک مدت تک صلح کرنا جس میں وہ اسلام کے قانون کے ماتحت نہ ہوں گے"۔[8]

فقہائے شوافع:

مصالحة اہل الحرب علیٰ ترک القتال مدة معینة بعوض او غیرہ سواء فیہم من یقر منہم علیٰ دینہ ومن لم یقر۔

"حربی کافروں سے ایک معین مدت تک کے لیے قتال چھوڑے رکھنے پر مصالحت کرنا، کسی چیز کے بدلے یا بغیر بدلے کے، خواہ ان میں سے کوئی

[7] بدائع الصنائع، الجزء٧، ص:١۔٨

[8] الشرح الکبیر مع حاشیہ الدسوق، الجزء٢، ص٢٠٦

اپنے دین کا اقرار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو"۔[9]

امام ابن قیمؒ:

مصالحة اهل الحرب علیٰ ترک القتال مدة معينة بعوض اؤ غیره

"حربی کافروں سے ایک معین مدت تک کے لیے قتال چھوڑے رکھنے پر مصالحت کرنا کسی چیز کے بدلے یا بغیر بدلے کے"۔[10]

اسی لیے فقہانے صلح کو موادعت بھی کہا ہے جس کے معنی ہیں کچھ مدت کے لیے کافروں سے قتال چھوڑ دینا یا عارضی جنگ بندی کرلینا۔ پھر آئمہ اربعہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ یہ صلح ایک مخصوص مدت کے لیے ہوگی۔ نیز یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ تمام فقہا کے نزدیک صلح صرف اسی صورت میں جائز ہے جب کہ اس میں اسلام کا کوئی فائدہ ہو، اس کے بغیر صلح جائز نہیں۔یعنی حکمران طبقہ صرف اپنی عیاشیوں کے لیے اگر یہ صلح کرتا ہے اور اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے ایسا کرتا ہے تو یہ بالکل جائز نہیں۔

صورت مسئلہ:

اب آپ اس صلح کو تصور میں لائیے جس کو فقہا بیان کررہے ہیں، کہ اسلامی لشکر کافروں کے ملک کے ملک فتح کرکے وہاں اسلامی شریعت نافذ کرتے چلے جارہے ہیں۔ اب ایک مرحلہ پر خلیفہ وقت یہ محسوس کرتے ہیں کہ اب مجاہدین کو کچھ وقت آرام کی ضرورت ہے، یا رسد و کمک کے لیے کچھ وقت تیاری کی ضرورت ہے، یا اب جس کافر قوم پر حملہ آور ہونا ہے اس کے اسلام لانے کی امید ہے یا وہ جزیہ دینے پر تیار ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔
ایسے وقت میں کفار اپنی جان بچانے کے لیے صلح کی پیشکش کرتے ہیں تو خلیفہ ان کو کہتا ہے کہ ہم تمہیں اس شرط پر کچھ مدت کے لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ تم ہمیں ذلیل ہو کر جزیہ دوگے، لیکن تمہارے ملک میں ہمارا اسلامی قانون نافذ ہوگا، یا یہ صورت ہو سکتی ہے کہ خراج دو اور کچھ مدت کے لیے ہم تمہارے خلاف قتال کو ملتوی کردیتے ہیں۔

یہ ہے وہ صلح جسے فقہانے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے!

جب کہ آج جو صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ ہم کافروں کی منتیں کرتے ہیں کہ ہمیں زندہ رہنے دو اور ہمارا تورا بورا نہ بناؤ، ہم تمہارے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت زندگی گزارنے پر راضی ہیں اور اس میں ہم تمہاری اطاعت کریں گے، اللہ کے قرآن کے بجائے اقوام متحدہ کے ابلیسی چارٹر کو دل و جان سے مانیں گے، ملکوں سے تعلقات اسلام کے بجائے اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق قائم کریں گے، عالمی ابلیسی ادارہ جس کسی ملک کے خلاف جنگ کا اعلان کردے ہم پر ان مسلمانوں کی مدد حرام ہے، ہم اپنے دنیاوی مفاد کی خاطر

[9] مغنی المحتاج؛الجزء٦،ص٨٦

[10] الخلاصة فی احکام اهل الذمه؛الجزء الاول ،لابی حمزه الشامی

مسلمانوں کے خلاف کافروں کا ساتھ دیں گے، اپنے ملکوں میں سودی نظام کو قائم رکھیں گے اور اس کی حفاظت کے لیے اپنی فوج و پولیس کو استعمال کریں گے۔

ذرا آپ تصور کیجیے کہ کہاں اسلامی صلح اور معاہدہ اور کہاں آج کافروں سے اتحاد! کافروں سے اتحاد کو صلح اور معاہدہ کہنا اسلامی اصطلاحات میں کھلی تحریف ہے۔

جمہوری اصطلاحات کو نہ سمجھنے کے خطرناک نتائج:

جمہوری اصطلاحات میں غور نہ کرنے کی وجہ سے یہ نقصان ہو رہا ہے کہ جب کوئی مسئلہ یا فتویٰ علما سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ ان جمہوری اصطلاحات کو سامنے نہیں رکھتے جو اس نظام میں رائج ہیں بلکہ ان کا فتویٰ شرعی اصطلاحات کو سامنے رکھ کر دیا جاتا ہے۔
اس کو سمجھنے کے لیے چند مثالیں پیش خدمت ہیں جن سے بات واضح سمجھی جاسکتی ہے کہ علما جو فتویٰ دیتے ہیں وہ بھی عموماً اپنے فتویٰ میں بددیانتی نہیں کرتے البتہ اصطلاحات کی تبدیلی سے ان کو دھوکہ ہو رہا ہے

سوال:

اگر علما سے یہ فتویٰ لیا جائے کہ درج ذیل حرام کاموں میں تعاون کرنا کیسا ہے؛

الف: پولیس اور فوج کا کفریہ نظام اور سودی کاروبار کا دفاع کرنا؟

ب: پولیس اور فوج کا نائٹ کلبوں، شراب خانوں، ناچنے گانے والی محفلوں کا دفاع کرنا؟

ج: مجاہدین کے خلاف لڑنا؟

تو ظاہر ہے ان کا جواب یہی ہوگا کہ مذکورہ تمام کام گناہ کبیرہ ہیں اور گناہ کبیرہ میں تعاون کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾(المائدہ:2)

"اور گناہ اور زیادتی کی (بنیاد) پر ایک دوسرے کی مدد مت کرنا"۔

لہٰذا کسی حرام کام میں مدد کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ فتویٰ میں عموماً اتنا ہی جواب دیا جاتا ہے جتنا سوال سے متعلق ہو۔ چونکہ سوال میں صرف اس عمل کے متعلق پوچھا گیا ہے سو یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، اور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ:

لا یکفر مسلم بذنب مالم یستحله۔

"کسی مسلمان کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہیں سمجھا جائے گا جب تک کے وہ اس گناہ کبیرہ کو حلال نہ سمجھے"۔[11]

سوال کرنے والے نے سوال ہی ادھورا پوچھا ہے اس لیے جواب بھی ادھورا ملا۔ موجودہ کفریہ نظام کو سامنے رکھتے ہوئے سوال اس طرح ہونا چاہیے تھا:

مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں ایسے کلمہ گو شخص کے بارے میں جس کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک

[11] الشرح المیسر علی الفقهین الابساط والاکبرللامام ابی حنیفةرحمةالله علیه ؛ اجزء الاول،بیان اصول البیمان ، باب لا یکفر مسلم بذنب مالم یستتحله

مخصوص طبقے میں داخل ہونے یا ایک مخصوص نوکری اختیار کر لینے کے بعد اب مندرجہ ذیل کام کام اس کے لیے صرف حلال ہی نہیں بلکہ مقدس فرض (duty) کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کاموں کو انجام دیتے ہوئے کسی بھی مسلمان کی جان لینا اس کے لیے حلال ہے، اور اپنی جان قربان کرنا اس کا فرضِ عین سعادت و شہادت ہے؟ یہ کام درج ذیل ہیں:

- سودی کاروبار اور سودی مراکز مثلاً بنک وغیرہ کا دفاع کرنا اور اس دفاع کو فرض سمجھنا، اور اس کو اپنی ڈیوٹی یعنی فرض کہنا۔
- نائٹ کلبوں شراب خانوں، ناچنے گانے والی محفلوں کی پہرے داری کو اپنے کیے قانونی یعنی حلال سمجھنا اور اس کو اپنی ڈیوٹی یعنی فرض کہنا؟
- ایسے جلوس کی پہرے داری کو اپنے لیے قانونی (حلال) سمجھنا جس میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں دی جائیں (جن سے محبت ہر مسلمان کے عقیدے کا حصہ ہے)
- اپنے افسروں کے کہنے پر نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنے والوں اور قرآن پڑھتی معصوم بچیوں کے قتل اور مسجد پر حملے کو اپنے لیے حلال یعنی قانونی سمجھنا۔
- ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے کی حفاظت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ناموس کی حفاظت کے لیے نکلنے والوں پر ڈنڈے برسانے اور آنسو گیس پھینکنے کو اپنے لیے قانونی (حلال) سمجھنا اور یہ کہنا کہ ہم تو اپنے افسروں کے حکم کے پابند ہیں؟

جواب:

یقیناً اگر سوال اس انداز سے پیش ہو گا اور امر واقع کو درست انداز سے بیان کرے گا تو جواب میں بھی فرق آئے گا۔ مذکورہ بالا تمام کاموں کے گناہ کبیرہ ہونے میں تو ان سرکاری علما کو بھی کوئی شک نہیں ہے جو آئے روز ایسے فتوے صادر کرتے ہیں جن کا سارا فائدہ عالم کفر اور ان کے غلاموں کو ہوتا ہے۔ سو جب یہ افعال متفقہ طور پر گناہ کبیرہ ہیں تو اس بات پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ گناہ کبیرہ کو کسی بھی تاویل سے حلال کر لینا کفر ہے۔ یہ ایسا کفر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔

اس جمہوری نظام میں جو صورتِ مسئلہ ہے وہ یہی ہے کہ پولیس ہو یا فوج، وہ جو بھی ڈیوٹی دیتے ہیں، خصوصاً ایسی ڈیوٹی جس کو جمہوری شریعت نے جائز و حلال (قانونی) قرار دیا ہو، تو فوج وغیرہ اس ڈیوٹی کرنے کو اپنے لیے بھی جائز قانونی ہی سمجھتی ہے۔ امارت اسلامیہ کے خلاف امریکہ کا ساتھ دینے اور قتل مسلم میں کافروں کی مدد کرنے کو اس فوج نے اپنے لیے قانونی (حلال) سمجھا ہے۔

اگر کوئی خون مسلم کو اس تاویل کے ساتھ حلال جانتے کے یہ دہشت گرد ہیں تو بھی یہ تاویل ان کو اس کفر سے نہیں بچا سکتی۔

خلاصہ بحث:

اس ابلیسی جمہوری نظام میں مسلمانوں کو پھنسانے والے کوئی عام ذہن نہیں تھے بلکہ وہ ایسے مکار تھے، جن کے دماغ میں شیطانیت بجلی بن کر دوڑتی تھی، سو انہوں نے اسلام کی اصطلاحات، اسلامی عقائد اور مسلمانوں کے مزاج کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اس جمہوریت کے لیے ایسی اصطلاحات رائج کیں جو ظاہر اسلام سے متصادم نظر نہیں آتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے بہت حد تک اس میں کامیابی حاصل کی اور عوام تو عوام بہت سے علما تک کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ جہاں جہاں اسلام اور جمہوریت میں لفظی یا ظاہری مماثلت موجود تھی وہاں اسلام کو اپنا لیا گیا اور جہاں دونوں میں تضاد تھا وہاں مکمل پینترا بدلا گیا اور ایسی اصطلاحات استعمال کی گئیں جن میں ظاہر اسلامی اصولوں سے کوئی تصادم (contradiction) نظر نہ آتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ایک فوجی، پولیس والا، جج، وکیل، پارلیمنٹ ممبر ایک طرف یہ اقرار کرتا ہے کہ مذکورہ تمام باتیں حرام ہیں، لیکن دوسری جانب جب اسی حرام کو تسلیم کرنے، اس کا احترام کرنے اور بزور قوت اس کو نافذ کرنے کی باری آتی ہے تو فوراً اصطلاح تبدیل کر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ "یہ آئینی اور قانونی ہے"۔ حالانکہ مفہوم و مضمون وہی ہے جو اسلامی اصطلاح میں "حلال" کا ہے۔ گویا بہت سادہ الفاظ میں وہ اللہ کے حرام کردہ کو حلال سمجھتا ہے، اس پر عمل کرنا اور کرانا فرض قرار دیتا ہے، اس کے دفاع کے لیے ریاستی مشینری اور مسلح لڑائی کو جہاد کہتا ہے، اور اس کے لیے کسی بھی کلمہ گو کی جان لینا، مسجد پر گولہ باری کرنا، مدارس پر چھاپے مارنا، اور قرآن پڑھتی امت کی بے گناہ بچیوں کو خون میں نہلا دینا اپنے لیے صرف قانونی اور حلال ہی نہیں سمجھتا بلکہ فرض و عبادت قرار دیتا ہے۔

ایسا صرف اس کا عمل نہیں ہے بلکہ یہ نظریہ (عقیدہ) ہے، اس آئین سے وفاداری، اس آئین کا تقدس، اس کا تحفظ اس کے ایمان (دین جمہوریت پر ایمان) کا حصہ ہے۔

اب آپ غور کیجیے کہ صرف اصطلاحات کی تبدیلی سے اس جمہوریت نے کتنے کفر اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو کس طرح دھوکے میں ڈالا ہوا ہے۔ ایک کفر ہو تو بندہ بات کرے، یہ تو کفر در کفر ہیں، البتہ اس کفر کا نام انہوں نے تبدیل کیا ہے جب کہ حقیقت کھلی اور واضح ہے۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

نظامِ پاکستان کے "اسلامی پہناوے"

مولوی احمد حنظلہ

اصطلاحات کا استعمال:

ہم پھر یہ بات یاد دلاتے چلیں کہ شریعت محمدیہ علی صاحبھا السلام میں اصل اعتبار عمل اور عقیدہ کا ہے۔ اب چاہے کوئی اس کو کتنے ہی خوب صورت نام دینے لگ جائے، شراب کو جوس، سود کو تجارت، طاغوت کو امیر المؤمنین... شریعتِ مطہرہ کی یہ شان ہے کہ وہ ان نقابوں کو نوچ کر اتار پھینکتی ہے اور اصل پر حکم لگاتی ہے۔

ہم علمائے حق سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ ان کفریہ باتوں کے بارے میں اپنے مقتدیوں اور ماننے والوں کو آگاہ کریں کہ وہی اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ کفر کو کفر کہیں تاکہ کسی کی یہ جرأت نہ ہو کہ وہ کفر کو اسلام ثابت کرکے اسلامی اصولوں اور بنیادوں کے ساتھ من مانی کرتا رہے، شعائر اسلام کا مذاق اڑائے اور اللہ کی حدود کو وحشت و درندگی قرار دے۔

اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ صورتِ مسئلہ کو گہرائی کے ساتھ سمجھا جائے اور پھر شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس کا حکم واضح کیا جائے۔ اب ہم اس مسئلہ کو مزید اچھے طریقے سے سمجھنے کے لیے اسلافِ امت اور اکابرینِ وقت کے کچھ اقوال نقل کرتے ہیں جو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اور ہم سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حجۃ اللہ البالغہ کے باب، سیاسۃ المدینۃ میں فرماتے ہیں:

ولما كانت المدينه ذات اجتماع عظيم لا يمكن ان يتفق رايهم جميعا على حفظ السنةالعادلة

"جب کہ شہر انسانوں کے بڑے ہجوم کا نام ہے، سو ان سب کی رائے کا سنت کی حفاظت پر متفق ہو جانا ممکن ہے"۔

معلوم ہوا کہ جمہوری نظام جو اکثریت کی موافقت کا محتاج ہوتا ہے اس میں اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی ثابت کرنا دھوکہ کے سوا کچھ نہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"غرض اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں... یہ مخترعہ متعارفہ جمہوریت محض گھڑا ہوا ڈھکوسلہ ہے، بالخصوص ایسی جمہوری سلطنت جو مسلم و کافر ارکان سے مرکب ہو وہ تو غیر مسلم سلطنت ہی ہو گی"[12]۔

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو لوگ یہ کہتے ہیں یہ مزدور اور عوام کی حکومت ہے، ایسی حکومت بلاشبہ حکومتِ کافرہ ہے"[13]۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی جمہوریت کے تصور کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جمہوریت اور جمہوری عمل کا اسلام سے کیا تعلق؟ اور خلافتِ اسلامی سے کیا تعلق؟ موجودہ جمہوریت تو سترہویں صدی کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ یونان کی جمہوریت بھی موجودہ جمہوریت سے الگ تھی لہٰذا "اسلامی جمہوریت" ایک بمعنی اصطلاح ہے ہمیں تو اسلام میں کہیں مغربی جمہوریت نظر نہیں آئی، اسلامی جمہوریت تو کوئی چیز ہے ہی نہیں"۔[14]

حکیم الاسلام حضرت قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ جمہوریت رب تعالیٰ کی صفت ملکیت میں بھی شرک ہے اور صفت علم میں بھی شرک ہے سوا ے اللہ کو ایک ماننے والو شرک کا راستہ اختیار کرکے بھی بھلا کوئی اسلام کو سربلند کر سکتا ہے؟"[15]

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"یہ تمام برگ و بار مغربی جمہوریت کے شجرہ خبیثہ کی پیداوار ہے۔ اسلام میں اس کافرانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں"۔[16]

شہید اسلام حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جمہوریت کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی ضد ہے"۔[17]

مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں یہ مسئلہ بھی موجود ہے:

سوال:

"حرام کو قصداً حلال کہنا بلکہ اسلامی کہنا کہاں تک لے جاتا ہے؟ میں آپ

---

[12] ملفوظات تھانوی: ص: ۲۵۲۔ نیز دیکھیے: احسن الفتاویٰ، کتاب الجہاد، باب سیاست اسلامیہ

[13] عقائد اسلام: ص ۲۳۰

[14] ماہنامہ سنابل، کراچی، مئی ۲۰۱۳ء، ص: ۲۸، ۲۷۔ نیز دیکھیے ماہنامہ ساحل، کراچی، شمارہ جون ۲۰۰۶ء۔ ماخوذ از امالی علامہ سلیمان ندوی رحمہ اللہ، مرتبہ مولانا غلام محمد رحمہ اللہ۔

[15] فطری حکومت از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

[16] احسن الفتاویٰ: ۲۶

[17] آپ کے مسائل اور ان کا حل: جلد ۸، ص: ۱۷۶

کی توجہ مئی۱۹۹۱ء میں قومی اسمبلی کے منظور شدہ شریعت بل کی شق ۳ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ شریعت یعنی، اسلام کے احکامات جو قرآن و سنت میں بیان کیے گئے ہیں پاکستان کا بالا دست قانون ہوں گے بشرطیکہ سیاسی نظام اور حکومت کی موجودہ شکل متاثر نہ ہو۔ یعنی ملک کے سیاسی نظام اور حکومت کی موجودہ شکل کے متاثر ہونے کی صورت میں قرآن اور حدیث کو رد کر دیا جائے گا، نہیں مانا جائے گا۔ سیاسی نظام اور حکومتی شکل کے سلسلہ میں سپریم لاء ۱۹۷۳ء کا آئین ہی ہو گا۔ مولانا صاحب! اس بل کا بنانے والا، اس کے منظور کرنے والے اور ان تمام لوگوں کی معاونت کرنے والے علما کس زمرے میں آتے ہیں؟"

جواب:

"ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ بغیر شرط اور بغیر استثنیٰ کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام کو دل و جان سے تسلیم کرے۔ یہ کہنا کہ میں قرآن و سنت کو بالا دست مانتا ہوں بشرطیکہ میری فلاں دنیوی غرض متاثر نہ ہو ایمان نہیں بلکہ کٹر نفاق ہے! گویا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے سے صریح انکار وانحراف ہے"۔[18]

معروف عالم دین حضرت مفتی حمید اللہ جان رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک نہایت اہم فتوے میں فرماتے ہیں:

"مشاہدہ اور تجربے سے ثابت ہے کہ موجودہ مغربی جمہوری نظام ہی بے دینی، بے حیائی اور تمام فسادات کی جڑ ہے اور خصوصاً اس میں اسمبلیوں کو حق تشریع، آئین سازی و قانون سازی کا حق دینا سراسر کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے...اور ووٹ کا استعمال مغربی جمہوری نظام کو عملاً تسلیم کرنا اور اس کی تمام خرابیوں میں حصہ دار بننا ہے، اس لیے موجودہ مغربی جمہوری نظام کے تحت ووٹ کا استعمال شرعاً ناجائز ہے"۔[19]

ابنِ امیر شریعت، حضرت مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اگر کسی ایک قبر کو مشکل کشا ماننا شرک ہے تو کسی اور نظام ریاست کو، امپریل ازم، ڈیموکریسی، کمیونزم، کیپٹل ازم، اور تمام باطل نظام ہائے ریاست ماننا کیسے اسلام ہو سکتا ہے؟ قبر کو سجدہ کرنے والا مشرک، پتھر لکڑی اور درخت کو مشکل کشا ماننے والا مشرک اور غیر اللہ کے نظاموں کو مرتب کرنا اور اس کے لیے تگ و دو کرنا اور اس نظام کو قبول کرنا، یہ توحید ہے؟ کہاں ہے جمہوریت اسلام میں؟ نہ ووٹ ہے نہ مفاہمت ہے! نہ ان کا وجود برداشت ہے، نہ ان کی تہذیب برداشت ہے! اسلام آپ سے اطاعت مانگتا ہے! آپ سے ووٹ نہیں مانگتا آپ کی رائے نہیں مانگتا!۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"۔[20]

حضرت مولانا شاہ محمد حکیم اختر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اسلام میں جمہوریت کوئی چیز نہیں جدھر زیادہ ووٹ ہو جائیں ادھر ہی ہو جاؤ بلکہ اسلام کا کمال یہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف ہو جائے لیکن مسلمان اللہ ہی کا رہتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر نبوت کا اعلان کیا تھا تو الیکشن اور ووٹوں کے اعتبار سے کوئی بھی نبی کے ساتھ نہیں تھا نبی کے پاس صرف اپنا ووٹ تھا، لیکن کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغام کے اعلان سے باز آگئے کہ جمہوریت چونکہ میرے خلاف ہے اکثریت کی ووٹنگ میرے خلاف ہے اس لیئے میں اعلان نبوت سے باز رہتا ہوں؟"[21]

مفتی اعظم دار العلوم دیوبند حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

سوال: کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہوریت کو قائم کیا تھا اور کیا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم بھی اسی جمہوریت پر چلے یا انہوں نے کچھ تغیر اور تبدل کیا ہے؟

الجواب:

"حامداً ومصلیا: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے۔ وہاں قوانین کا دارو مدار دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے یعنی کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے۔ پس اگر کثرت رائے قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو اسی پر فیصلہ ہو گا۔ قرآن نے اکثریت کی اطاعت کو موجب ضلالت فرمایا ہے (وان تطع اکثر من فی الارض یضلوك عن سبیل اللہ) اہل علم، اہل دیانت، اہل فہم کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، انہوں نے اس کے خلاف کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کی ہے"۔[22]

---

[18] آپ کے مسائل اور ان کا حل: جلد ۱ ص ۴۹

[19] ماہنامہ سنابل، کراچی، مئی ۲۰۱۳ء

[20] خطاب بموقع توحید و سنت کانفرس ۲۶ ستمبر ۱۹۸۷ء جامع مسجد برمنگھم، برطانیہ

[21] خزائن معرفت و محبت: ص ۲۰۹

[22] فتاوی محمودیہ: جلد چہارم: باب جمہوری و سیاسی تنظیموں کا بیان

اس نظامِ بدی سے بغاوت کریں!!!

گیارہ سال قبل لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے اہلِ حق کی آواز اُٹھی، جنہوں نے پاکستان میں رائج مفسد اور باطل نظام سے کُلّی برأت اور بغاوت کا اعلان کیا... پرویز ملعون کی قیادت میں پاکستانی فوج، اُس کی خفیہ ایجنسیاں، وزیر مشیر، میڈیا، سرکاری و درباری علما غرض پورا شیطانی نظام 'اِن اہلِ حق پر پل پڑا... گن شپ ہیلی کاپٹروں اور توپ خانے سے بم باریاں کی گئیں اور معصوم طلبہ و طالبات کو سفید فاسفورس سے جلا کر بھسم کر دیا گیا... ہزاروں طالبات کو لا پتہ کیا گیا... جامعہ حفصہ مسمار ہو گئی... تلاوت کرتے معصوم بچوں اور حفاظ کے خون سے مسجد، مدرسہ اور صفحاتِ قرآنی رنگین ہو گئے... ہزاروں کی تعداد میں مصحفِ کریم کے نسخے اور احادیثِ مبارکہ کی کتب گندے نالوں میں بہا دی گئیں... اور یہ سب کچھ کلمۂ طیبہ کے نام پر حاصل کیے گئے ملک ہوا... یہ شہدا اپنا فرض ادا کر کے رب کی رحمتوں میں چلے گئے... اور اپنے پیچھے ''شریعت یا شہادت'' کی بنیاد پر کھڑی ہونے والی مضبوط تحریک استوار کر گئے... اس سانحہ کے بعد ہی محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے نظامِ پاکستان کے خلاف جہاد کی آواز لگائی اور مجاہدین نے شیخ رحمہ اللہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس ابلیسی نظام کو بزور ختم کرنے اور ڈھانے کے لیے جہاد کا آغاز کیا...

عموماً اس تاثر کو پھیلایا جاتا ہے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں ہونے والے ظلم کا ذمہ دار صرف مشرف تھا... لیکن مجاہدین 'علی وجہ البصیرۃ یہ سمجھتے ہیں کہ اس ظلمِ عظیم کا ذمہ دار صرف مشرف نہیں تھا، مشرف کی حیثیت تو مُہرے سے زیادہ کی نہیں تھی... وہ اگرچہ آمر تھا لیکن اسی سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کے ایک پُرزے سے زیادہ اُس کی اہمیت نہیں تھی... اس نظام کو چلانے والوں نے وقت کی نزاکت اور حالات کا تقاضا دیکھ کر اُسے کھُل کھیلنے کا موقع دیا اور جب وقت اور حالات نے اُس کا مزید بوجھ سہارنے سے انکار کیا تو اپنے اُس مُہرے کو safe passage دلا کر بقیہ ماندہ زندگی عیش و عشرت میں گزارنے کے لیے کھُلا چھوڑ دیا... اس سانحہ کا اول سے آخر ذمہ دار یہی نظامِ بد (سرمایہ دارانہ جمہوری نظام) ہے جس کو واشنگٹن کے قصرِ ابیض کے حکم کے مطابق فوجی جرنیل چلاتے ہیں... شہدائے لال مسجد و جامعہ حفصہ نے اسی نظامِ بد کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے اور مسلمانوں کو اس سے نجات دلا کر شریعتِ مطہرہ کے بابرکت نظام کو قائم کرنے کی تحریک کی بنیاد رکھی اور مجاہدین ''شریعت یا شہادت'' کی اسی تحریک کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں...

اللہ سے بغاوت کی بنیاد پر قائم یہ پورا نظام ایک سلسلہ وار کڑی کی صورت میں چل رہا ہے... بد عنوان سیاست دان، ظالم جاگیر دار، سفاک سرمایہ دار، بے رحم بیورو کریٹ 'یہ سب اس نظام کے مختلف کل پُرزے ہیں، جنہیں فوجی جرنیل اپنی مرضی و منشا کے مطابق چلاتے اور ہانکتے ہیں... ان کل پرزوں میں سب سے زیادہ توجہ کا مرکز سیاست دان ہوتے ہیں کیونکہ اِنہی کے سپرد (بظاہر) نظام کو چلانے اور سنبھالنے کا کردار ہوتا ہے... ان کی ڈوریاں فوجی جرنیلوں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں، وہی اِنہیں منتخب کرتے ہیں، وہی چلاتے ہیں اور وہی جب چاہے نکال باہر کرتے ہیں... بدبخت جرنیلوں کی دلی آرزو اور تمنا تو یہی ہوتی ہے کہ اس نظام کو بلاواسطہ ہی چلائیں اور مارشل لا کی شکل میں سیاہ و سفید کے مالک بن کر بیٹھیں رہیں لیکن مشکل تب بن جاتی ہے جب اِن کی ہوس گیری پر مبنی پالیسیوں کی وجہ سے مسائل و مصائب کے گرداب میں پھنسی عوام بغاوت پر آمادہ نظر آتی ہے... تب یہ کسی ''سول سپر یمیسی'' اور سلطانیٔ جمہور کے عَلَم بردار کو کٹھ پتلی کے طور پر آگے کرتے ہیں اور وہ اِنہی کی مرضی و منشا کے مطابق نظام کو جاری و ساری رکھتا ہے... عوام کو تھوڑا بہت 'ریلیف' فراہم کیا جاتا ہے، نئے خواب اور سہانے سپنے دکھائے جاتے ہیں اور یوں جرنیلی ٹولہ پردہ کے پیچھے بیٹھ کر اقتدار و اختیار کے مزے لیتا رہتا ہے... اس ''سول سپر یمیسی'' میں بھی دفاع، خارجہ، داخلہ اور خزانہ جیسے اہم امورِ سلطنت کا پورا نظم' براہِ راست جرنیلوں کی سرکردگی میں چلایا اور مرتب کیا جاتا ہے... کچھ ہی عرصہ میں سلطانیٔ جمہور کے کٹھ پتلیوں کے کرتوت اور لوٹ کھسوٹ کے سبب عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہونے کو آتا ہے تو ان کٹھ پتلیوں کو کرپشن اور بدعنوانیوں کے الزامات لگا کر میں تخت سے اتار کر تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے اور جرنیلی ٹولہ جدید انتظام و انصرام اور نئے مُہروں کو سامنے لے آتا ہے... بھٹو، بے نظیر، نواز، زرداری، گیلانی، شجاعت، عباسی اور عمران وغیرہ 'ان سب کی حیثیت محض مُہروں کی سی ہے... ایک مُہرہ پِٹ جاتا ہے تو نئے مُہرے اپنی خدمات پیش کرتے قطار اندر قطار حاضر ہوتے ہیں اور اُن میں سے ایک کے کندھے تھپتھپا کر اپنا لیا جاتا ہے اور باقیوں کو ''اگلی واری'' کی

امید دلا کر reserve میں رکھ لیا جاتا ہے! جب یہ سارے مُہرے استعمال ہو جاتے ہیں تب تک عوام بے چاری بے حال ہو چکی ہوتی ہے، پھر کوئی بد خصال جرنیل اٹھتا ہے اور سارے مُہروں کو جیب میں ڈال کر اپنی مطلق العنان حکمرانی کا اعلان کر دیتا ہے...

پچھلے ۷۰ سال سے یہی شیطانی چکی چل رہی ہے اور پاکستانی قوم اس چکی میں پِس رہی ہے... سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو قائم کرنے اور چلانے والوں نے مسلمانوں کو نوچ نوچ کے کھایا ہے، نہ اُن کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حرمت باقی رہنے دی ہے، نہ اُن کی دنیاوی خوش حالی وآسودگی کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے دیا ہے اور نہ ہی اُنہیں آخرت کی سرخروئی وفلاح سے بہرہ مند ہونے دیا ہے! اس شیطانی کھیل کو اِن دنوں بھی کھیلا جا رہا ہے... خائن فوجی جرنیلوں نے اگلی کٹھ پتلی کو تیار کر کے میدان میں اتار دیا ہے جہاں برائے نام قسم کا "انتخابی مقابلہ" ہو گا... کوشش یہی کی جائے گی کہ کٹھ پتلی کو سادہ اکثریت دلوا دی جائے وگرنہ دیگر منتخب لوٹوں کی مدد سے اُسے "کرسیٔ اقتدار" پر بٹھا دیا جائے گا اور اپوزیشن کی صورت میں ہمہ وقت اُس کی ٹانگیں کھینچنے والے گروہ کو بھی "جان کے لاگو" کے طور پر اُس کے لیے رکھا جائے گا... پھر جب اور جہاں کٹھ پتلی اپنے آقاؤں کے احکامات سے سرِ مو انحراف کرنے کا سوچے گی 'اُسی وقت اپوزیشن کو ہلا شیری دے کر اُسے اُس کی اوقات میں واپس لایا جائے گا! عوام سمجھیں گے کہ "نیا پاکستان" بن رہا ہے جب کہ حقیقتاً جرنیلی مافیا اپنے امریکی آقاؤں سے وفاداری نبھاتے اور اُن کے احکامات کی بجا آوری کرتے ہوئے وہی سات دہائیوں سے جاری چوہے بلی کا کھیل کھیلتا رہے گا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہے گا!

اس سارے منظر نامے میں ایک اور گروہ ہے جو "اسلامی جمہوریت" کے راگ الاپتے ہوئے میدانِ سیاست میں نکلتا ہے... یہ بے چارے بھی اسی نظام کے کل پرزے کے طور پر کام کرتے ہیں، اس طاغوتی اور باطل نظام کو ہر قسم کا سہارا دینے کے بعد یہ اپنے تئیں "اسلام کی خدمت" کا دم بھرتے ہیں... چونکہ یہ دین سے وابستہ گروہ ہے اس لیے دین ہی پر نشتر چلانے اور اسی کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرنے کا کام اپنے ذمہ لیے ہوئے ہے! یہی وجہ ہے کہ دھڑلے سے ایسی کفریات بکی جا رہی ہیں کہ "آج تلوار اور بندوق کی جگہ آپ کے ووٹ کی پرچی نے لے لی ہے"، "اس الیکشن میں پیسہ لگانا جہادِ اکبر ہے"، "الیکشن مہم میں کام کرنے والوں کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے"... اس شیطانی جمہوری نظام کو جواز فراہم کرتے کرتے یہ گروہ 'دین ہی کا چہرہ مسخ کرنے پر تُلا بیٹھا ہے! حالانکہ اس نظام کی حقیقت کو یہ سب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں، اس کی دین دشمنی اور اسلام بے زاری سے بھی پوری طرح واقف ہیں، اپنی نجی مجلسوں اور محفلوں میں اس باطل نظام سے کسی قسم کی خیر برآمد ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں لیکن پھر بھی محض درجن بھر سیٹوں کے حصول کی لالچ میں کتمانِ حق کا جرم بھی کرتے ہیں اور تلبیسِ حق وباطل جیسا ظلم بھی!

اس ساری صورت حال میں ہمارا پیغام یہی ہے کہ یہ نظام شر ہے! سر تا پا شیطانی اور ابلیسی نظام ہے! کفری آقاؤں کے مفادات کا تحفظ کر کے اپنی تجوریاں بھرنے والے خائن جرنیلوں اور بدقماش سیاست دانوں کے گٹھ جوڑ پر مبنی مفسد نظام ہے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيْ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ، حتى يُعبدَ اللهُ وحدَه لا شريك له فرما کر ہمارے لیے واضح اور بیّن راہ عمل طے کر دی ہے! اسی راہ عمل کو شہدائے لال مسجد وجامعہ حفصہ اپنے پاکیزہ لہو کے چراغ جلا کر منور کیا ہے... اسی نبوی منہج کی طرف محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے پکار لگائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طریقِ مبارک پر تحریکِ جہاد گامزن ہے! یہ تحریکِ جہاد مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی آج سخت اور کٹھن ترین حالات کو جھیل رہی ہے... دین کے قیام ونفاذ کے لیے ایسے حالات سے گزرنا اور انہیں انگیز کرنا ہی پڑتا ہے... اس تحریک کو باذن اللہ اپنی منزل پر پہنچنا ہے! بس ضروری ہے کہ شرعی منہج اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے اور سکھائے ہوئے راستے سے قدم نہ ڈگمگائیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کی بدولت پوری استقامت واستقلال سے اس راستے پر جمے رہیں تو جیسے ماضی میں آدھی دنیا کو مسخر کرنے والا کمیونزم 'دعوت، جہاد اور قتال کی برکتوں سے تاریخ کے اوراق میں گم ہو گیا، اسی طرح سرمایہ دارانہ جمہوری وشیطانی نظام بھی فنا کے گھاٹ اُترے گا اور بالضرور اُترے گا! اس مبارک قافلے سے اللہ رب العزت نے إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ کا وعدہ فرمایا ہے... لال مسجد وجامعہ حفصہ کے شہدا نے بھی اِنہی دو حسنات کے حصول کے لیے "شریعت یا شہادت" کا نعرہ بلند کیا تھا اور تحریکِ جہاد سے وابستہ ہر مجاہد انفرادی واجتماعی طور پر پورے عزم اور حوصلے سے اِن حسنات میں سے کسی ایک کے حصول کے لیے سرگرداں ہے... شہادتوں کی منزلیں بھی ہمارے لیے ہیں اور سعادتوں کے انعام بھی ہمارے لیے! باذن اللہ!

☆☆☆☆☆☆☆

جمہوریت، علمائے کرام کی نظر میں

عبد الرؤف انصاری

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (الانعام: ۱۱۶)

"اور اگر آپ زمین والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے۔ تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے"۔

تفسیر روح المعانی، جلد ۴، صفحہ ۱۱ پر علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یہ خود بھی گمراہ ہونا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنا ہے، اور فاسد شکوک ہیں جو جہالت اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ (ان یتبعون) وہ پیروی کرتے ہیں شرک اور گمراہی کی"۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (الأعراف: ۱۸۷)

"اور لیکن اکثر آدمی علم نہیں رکھتے"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں وان تطع اکثر من فی الارض کی تشریح میں جمہوریت کا رد فرمایا۔

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی محمود حسن گنگوہی کا فتویٰ:

سوال: کیا ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمہوریت کو قائم کیا اور کیا خلفائے اربعہ بھی اسی جمہوریت پر چلے یا انھوں نے کچھ تغیر و تبدیل کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"حضرت شاہ محدث دہلوی رح نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے۔ وہاں قوانین و احکام دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے، یعنی اکثریت رائے قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو اسی پر فیصلہ ہو گا۔ قرآن کریم نے اکثریت کی اطاعت کو موجب ضلالت فرمایا ہے۔

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ

اور اگر تو زمین میں (موجود) لوگوں کی اکثریت کا کہنا مان لے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ (حق و یقین کی بجائے) صرف وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض غلط قیاس آرائی (اور دروغ گوئی) کرتے رہتے ہیں۔

اہلِ علم، اہلِ دیانت، اہلِ فہم کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے، انہوں نے اس کے خلاف کوئی راہ اختیار نہی کی ہے"۔

(فتاویٰ محمودیہ؛ جلد چہارم؛ کتاب السیاستہ والھجرتہ؛ باب جمہوری و سیاسی تنظیموں کا بیان)

مولانا محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ "فتاویٰ محمودیہ"، جلد ۲۰، صفحہ ۴۱۵ میں لکھتے ہیں:

"اسلام میں اس جمہوریت کا کہیں وجود نہیں (لہٰذا یہ نظامِ کفر ہے) اور نہ ہی کوئی سلیم العقل آدمی اس کے اندر خیر تصور کر سکتا ہے"۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ "ملفوظاتِ تھانوی" صفحہ ۲۵۲ پر لکھتے ہیں:

"ایسی جمہوری سلطنت جو مسلم اور کافر ارکان سے مرکّب ہو۔ وہ تو غیر مسلم (سلطنتِ کافرہ) ہی ہو گی"۔

ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

"آج کل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرتِ رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے۔ صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ بھی معلوم رہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے؟ کیا ان عوام کالانعام کی؟ اگر انہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السّلام نے اپنی قوم کی رائے پر عمل نہیں کیا، ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السّلام ایک طرف۔ آخر اُنہوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بُت پرستی اختیار نہیں کی؟ کیوں تفریقِ قوم کا الزام سر لیا؟ اسی لیے کہ وہ قوم جاہل تھی۔ اس کی رائے جاہلانہ رائے تھی"۔ (معارفِ حکیمُ الامّت، صفحہ ۶۱۷)۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"مولانا محمد حسین الہ آبادی رحمہ اللہ نے سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرتِ رائے پر فیصلہ کرتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہو، کیونکہ قانونِ فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلا کم ہیں اور بے وقوف زیادہ، تو اس قاعدے کی بنا پر کثرتِ رائے کا فیصلہ بے وقوفی کا فیصلہ ہو گا"۔ (معارفِ حکیمُ الامّت، صفحہ ۶۲۶)۔

حکیم الاسلام قاری طیّب قاسمی رحمہ اللہ "فطری حکومت" میں لکھتے ہیں:

"یہ (جمہوریت) رب تعالیٰ کی صفت 'ملکیت' میں بھی شرک ہے اور صفتِ علم میں بھی شرک ہے"۔

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ "عقائدِ اسلام" صفحہ ۲۳۰ میں لکھتے ہیں:

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ مزدور اور عوام کی حکومت ہے ایسی حکومت بلاشبہ حکومتِ کافرہ ہے"۔

فقیہ العصر مفتی رشید احمد رحمہ اللہ "احسن الفتاویٰ" جلد ۶ صفحہ ۲۴ تا ۲۶ میں لکھتے ہیں:

"اسلام میں مغربی جمہوریت کا کوئی تصور نہیں، اس میں متعدد گروہوں کا وجود (حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف) ضروری ہے، جب کہ قرآن اس تصوّر کی نفی کرتا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران:۱۰۳)

"اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو"۔

اس میں تمام فیصلے کثرتِ رائے سے ہوتے ہیں جب کہ قرآن اس اندازِ فکر کی بیخ کنی کرتا ہے:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّـهِ (الانعام:۱۱۶)۔

یہ غیر فطری نظام یورپ سے درآمد ہوا ہے جس میں سروں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اس میں مرد وعورت، پیر وجواں، عامی وعالم بلکہ دانا ونادان سب ایک ہی بھاؤ تُلتے ہیں۔ جس اُمیدوار کے پلّے ووٹ زیادہ پڑ جائیں وہ کامیاب قرار پاتا ہے اور دوسرا سراسر ناکام۔ مثلاً کسی آبادی کے پچاس علما، عقلا اور دانش وروں نے بالاتفاق ایک شخص کو ووٹ دیے، مگر ان کے بالمقابل علاقہ کے بھنگیوں، چرسیوں اور بے دین اوباش لوگوں نے اس کے مخالف اُمیدوار کو ووٹ دے دیے جن کی تعداد اکاون ہوگئی تو یہ اُمیدوار کامیاب اور پورے علاقہ کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ یہ تمام برگ وبار مغربی جمہوریت کے شجرہ خبیثہ کی پیداوار ہے۔ اسلام میں اس کافرانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔ نہ ہی اس طریقے سے قیامت تک اسلامی نظام آسکتا ہے۔ 'الجنس یمیل الی الجنس' عوام (جن میں اکثریت بے دین لوگوں کی ہے) اپنی ہی جنس کے نمائندے منتخب کرکے اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں۔

اسلام میں شورائی نظام ہے جس میں اہل الحل والعقد غور وفکر کرکے ایک امیر کا انتخاب کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت چھ اہل الحل والعقد کی شوریٰ بنائی جنھوں نے اتفاقِ رائے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا۔ اس پاکیزہ نظام میں انسانی سروں کو گننے کے بجائے انسانیت کا عنصر تولا جاتا ہے، اس میں ایک ذی صلاح مدبّر انسان کی رائے لاکھوں بلکہ کڑوروں انسانوں کی رائے پر بھاری ہوسکتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی سے استشارہ کے بغیر صرف اپنی ہی صواب دید سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، آپ کا یہ انتخاب کس قدر موزوں مناسب اور جچا تُلا تھا"۔

احسن الفتاویٰ جلد ۶ صفحہ ۹۴ میں لکھتے ہیں:

"جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنیٰ سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ جمہوریت عین اسلام ہے۔ حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں ہے۔ درحقیقت جمہوری نظام کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے۔ جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ اور جس کے لیے سیکولرازم پر ایمان لانا تقریباً لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے"۔

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ 'تفسیر انوار البیان جلد ا صفحہ ۵۱۸ پر لکھتے ہیں:

"ان کی لائی ہوئی جمہوریت بالکل جاہلانہ جمہوریت ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں"۔

شیخ العرب والعجم حضرت حکیم شاہ محمد اختر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسلام میں جمہوریت کوئی چیز نہی کہ جدھر زیادہ ووٹ ہوجائیں ادھر ہی ہوجاؤ، بلکہ اسلام کا کمال یہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف ہوجائے لیکن مسلمان اللہ کا ہی رہتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر نبوت کا اعلان کیا تھا تو الیکشن اور ووٹوں کے اعتبار سے کوئی بھی نبی کے ساتھ نہ تھا۔ نبی کے پاس صرف اپنا ووٹ تھا، لیکن کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے پیغام سے باز آگئے کہ جمہوریت چونکہ میرے خلاف ہے، اکثریت کی ووٹنگ میرے خلاف ہے، اس لیے میں اعلان نبوت سے باز رہتا ہوں؟" (خزائنِ معرفت ومحبت، ص ۲۰۹)

ابنِ امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر کسی ایک قبر کو مشکل کشا ماننا شرک ہے تو کسی اور نظام ریاست، امپیریل ازم، ڈیموکریسی، کمیونزم، کیپٹلزم اور تمام باطل نظام ہائے ریاست کو ماننا کیسے اسلام ہو سکتا ہے؟ قبر کو سجدہ کرنے والا مشرک، پتھر لکڑی اور درخت کو مشکل کشا ماننے والا، حاجت روا ماننے والا مشرک، اور غیر اللہ کے نظاموں کو مرتب کرنا اور اس کے لیے تگ و دو کرنا اور اس نظام کو قبول کرنا، یہ توحید ہے؟ کہاں ہے جمہوریت اسلام میں؟ نہ ووٹ ہے، نہ مفاہمت ہے نہ ان کا وجود برداشت ہے نہ ان کی تہذیب برداشت ہے... اسلام آپ سے اطاعت مانگتا ہے. آپ سے ووٹ نہیں مانگتا، آپ کی رائے نہیں مانگتا... من یطع الرسول فقد اطاع اللہ''۔

(خطاب بموقع توحید و سنت کانفرنس ۲۶ ستمبر ۱۹۸۷ جامع مسجد برمنگھم برطانیہ)

مفتی حمید اللہ جان اپنے ایک نہایت اہم فتوے میں فرماتے ہیں:

''مشاہدے اور تجزیے سے ثابت ہے کہ موجودہ مغربی جمہوری نظام ہی بے دینی، بے حیائی اور تمام فسادات کی جڑ ہے اور خصوصاً اس میں اسمبلیوں کو حق تشریح (آئین سازی، قانون سازی کا حق) دینا سراسر کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ اور ووٹ کا استعمال مغربی جمہوری نظام کو عملاً تسلیم کرنا اور اس کی تمام خرابیوں میں حصہ دار بننا ہے، اس لئے موجودہ نظام کے تحت ووٹ کا استعمال شرعاً ناجائز ہے''

(ماہنامہ سنابل، کراچی، مئی ۲۰۱۳، جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۱۱، ص ۳۲)

مفتی حمید اللہ جان صاحبؒ مزید فرماتے ہیں:

''اسلامی جمہوریہ پاکستان نہیں! صرف اسلامی پاکستان!

اس جمہوری کتے کو اس کنوئیں سے نکالو گے تو کنواں پاک ہو گا ورنہ ہزار ڈول نکال لو یہ کنواں پاک ہونے والا نہیں!''

مولانا فضل محمد دامت برکاتہم 'اسلامی خلافت صفحہ ۱۱۷ پر لکھتے ہیں:

''اسلامی شرعی شوریٰ اور موجودہ جمہوریت کے درمیان اتنا فرق ہے جتنا آسمان اور زمین میں۔ وہ مغربی آزاد قوم کی افراتفری کا نام ہے۔ جس کا شرعی شورائی نظام سے دور کا واسطہ بھی نہیں''۔

اسلامی خلافت صفحہ ۱۷۶ پر لکھتے ہیں:

''کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اسلامی جمہوریت، یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ اسلامی شراب''۔

مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ 'اسلاف کی سیاست اور جمہوریت' کے صفحہ ۲۶ اور ۲۷ میں لکھتے ہیں:

''کیا کسی جمہوری ملک کی عدالت اللہ کے نازل کردہ دستور کے مطابق چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر سکتی ہے جب کہ اسے اسمبلی نے قانون نہ بنایا ہو؟ آخر اسمبلی کو یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دستور و قانون پر پھر سے غور کرے۔ اس کا جی چاہے تو اس کو قانون بنادے، جی چاہے تو ٹھکرا دے۔ اسمبلی کو یہ اختیار دینا ہی شرک فی الحاکمیۃ ہے۔ اسمبلی کی منظور کے بعد دستور مانا تو کیا مانا؟ یہ اللہ کی اطاعت ہوئی یا اسمبلی کی؟''

مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ اسی کتاب کی ابتدا میں صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں:

''جمہوریت تو حق و باطل میں صلح کرواتی ہے جب کہ جہاد سے حق غالب آتا ہے اگرچہ عددی کثرت حاصل نہ بھی ہو بلکہ اہل حق کی اقلیت کو باطل کی اکثریت پر غلبہ نصیب ہو جاتا ہے اور اسی راستے سے خلافت کا قیام بھی ممکن ہے''۔

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوریؒ اپنی کتاب ''اسلام اور جمہوریت میں فرق'' کے صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں:

''مغربی ممالک چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں جمہوریت ہی رہے، خواہ ''اسلامی جمہوریت'' کے نام سے ہی ہو۔ ان کو خطرہ ہے کہ اگر مسلمان جمہوریت کے چنگل سے نکل گئے تو وہ ضرور اسلام کے نظام خلافت کی طرف دوڑیں گے۔ مسلمانوں کو تو خلافت یاد نہیں رہی لیکن کفر کو وہ کبھی نہیں بھولتی۔ کفر کے لیے وہ پیغام موت ہے اور اسلام کے لیے وہ آبِ حیات۔ کفر کو جو نقصان پہنچا وہ خلافت ہی سے پہنچا ہے۔ وہ خلافت راشدہ ہو، یا خلافت بنو امیہ، خلافت عباسیہ ہو یا خلافت عثمانیہ۔ بیت المقدس کو فتح کیا تو خلافت نے، یورپ کو تاراج کیا تو خلافت نے۔ جمہوریت نے تو خلافت کے فتح کیے ہوئے علاقے دیے ہیں لیا کچھ نہیں۔ اسلام کے عروج اور فتوحات کا زمانہ یہ خلافتیں ہی ہیں، جمہوریت نہیں''۔

☆☆☆☆☆

کیا جمہوریت سے اسلام غالب ہو سکتا ہے؟

مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ

آج مجھے جو بات آپ سے عرض کرنی ہے وہ یہ کہ اب بھی اگر دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین غالب ہو گا تو ووٹ کے ذریعے سے نہیں ہو سکتا... کہ آپ سیاسی جماعت بنا کر مغربی جمہوریت کے ذریعے سے آپ اللہ کے دین کو بڑھانا چاہیں... اللہ کے دین کو غالب کرنا چاہیں... تو کبھی بھی دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین ووٹ کے ذریعے سے... مغربی جمہوریت کے ذریعے سے غالب نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ اس دنیا کے اندر اللہ کے دشمنوں کی اکثریت ہے... فساق اور فجار کی اکثریت ہے... اور جمہوریت جو ہے وہ بندوں کو گننے کا نام ہے، بندوں کو تولنے کا نام نہیں ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

وہاں بندوں کو گنا کرتے ہیں کہ کتنے سر ہیں... لہٰذا مغربی جمہوریت کے ذریعے کبھی اسلام نہیں آسکتا... جیسے کہ پیشاب کے ذریعے کبھی وضو نہیں ہو سکتا اور جیسے کہ نجاست کے ذریعے سے کبھی طہارت اور پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح سے لادینی اور مغربی جمہوریت کے ذریعے کبھی اسلام غالب نہیں آسکتا... دنیا میں جب بھی اسلام غالب ہو گا تو اُس کا واحد راستہ وہی ہے... جو راستہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا... اور وہ جہاد کا راستہ ہے کہ جس کے ذریعے سے اس دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین غالب ہو گا۔

آج آپ نے سنا... ہمارے ہاں پاکستان میں، وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ شریعت بل کے ذریعے سے ہم اسلام لائیں گے... لیکن جو شریعت بل اسلام کے لیے پیش کیا تو اُس کا حاصل کیا ہوا؟ کل ہی کے اخبار میں آپ نے وزیر اعظم کا بیان پڑھا ہو گا... اخبار کی شہ سرخی تھی کہ ہم عورتوں کو پردہ نہیں کروائیں گے اور اُنہیں گھر سے باہر نکلنے سے نہیں روکیں گے۔ اسی اخبار میں خبر ہے کہ پاکستان کے تین وزیر... خالد انور (وزیر قانون)، مشاہد حسین (وزیر اطلاعات) اور صدیق کانجو (نائب وزیر خارجہ)... یہ تینوں آدمی مغربی ممالک کے سفیروں کے سامنے پیش ہوئے... اُنہیں بریفنگ دی اور اُنہیں بتلایا کہ "بھائی! تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو... ہم جو اسلام لائیں گے اُس اسلام میں کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا... ہم جو اسلام لائیں گے اُس اسلام میں شراب پر پابندی نہیں ہو گی... ہم جو اسلام لائیں گے اُس اسلام میں کسی کو سنگسار نہیں کیا جائے گا زنا پر"۔

یہ باتیں پریس کے اندر موجود ہیں کہ مغربی سفیروں کے سامنے اِنہوں نے کہا کہ "ہم ماڈرن اسلام لانا چاہتے ہیں... آپ خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں"۔ اصل بات کیا ہے؟ قرآن کریم کا حکم ہے کہ

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الاحزاب: ۳۳)

اور قرآن مجید کا حکم ہے کہ عورتوں کو کہہ دیں کہ

يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (الاحزاب: ۵۹)

جس اسلام کے اندر پردہ نہیں ہو گا... جس اسلام کے اندر شراب پر پابندی نہیں ہو گی... جس اسلام کے اندر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا... جس اسلام کے اندر زانی کو سنگسار نہیں کیا جائے گا... وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ اسلام نہیں ہے... اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اسلام اتارا تھا... اُس میں تو عورت کو پردے کا حکم ہے... اُس میں تو زانی کو سنگسار کرنے کا حکم ہے... اُس اسلام کے اندر تو شراب کو حرام کیا گیا ہے... اُس اسلام کے اندر تو چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے... اب یہ سب کچھ نہیں ہو گا تو معلوم نہیں وہ کون سا اسلام ہو گا جو وزیر اعظم اس ملک میں نافذ کرے گا۔ وہ کون سا اسلام ہو گا... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام تو وہ نہیں ہے...

حقیقت یہ ہے کہ یہ سیاسی پارٹیاں... چاہے وہ مسلم لیگ ہو، چاہے پیپلز پارٹی ہو... چاہے کوئی بھی ہو... ہم لوگ ان سے خیر کی توقع نہیں رکھتے ہیں... یہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں... اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو رنگ کے خنزیر ہوں اور دو آدمی اس بات پر لڑیں کہ نہیں وہ سفید خنزیر اچھا ہے اور دوسرا کہے کہ نہیں وہ کالا خنزیر اچھا ہے... تقسیم ہند سے پہلے برطانیہ میں دو سیاسی پارٹیاں تھیں... ایک کو لیبر پارٹی کہا جاتا تھا جب کہ دوسری کو ٹوری پارٹی کہتے تھے... مولانا ظفر علی خان صاحب مرحوم، اُس وقت کے بہت بڑے صحافی اور شاعر تھے... اُنہوں نے شعر کہا تھا کہ

توقع خیر کی رکھو نہ لیبر سے نہ ٹوری سے
نکل سکتا نہیں آٹا کبھی چونے کی بوری سے

چونے کی بوری سے کبھی آٹا نہیں نکل سکتا۔ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی سے کبھی اسلام نکلے گا؟ وہ کفر ہو گا... اسلام کبھی نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہم لوگوں کی بے وقوفی ہے... اسلام اگر آئے گا تو انقلاب کے ذریعے سے آئے گا... اسلام اگر آئے گا تو جہاد کے ذریعے سے آئے گا... اور اس دنیا میں جہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین غالب ہو گا، وہ جہاد کے ذریعے سے ہو گا... ووٹ کے ذریعے سے یا مغربی جمہوریت کے ذریعے سے کبھی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین دنیا میں غالب نہیں ہو سکتا نہ ہی اس کے ذریعے سے کبھی اسلام آسکتا ہے۔ ابھی 'شریعت بل' کے نام سے جو دستاویز اِنہوں نے پیش کی ہے... اُس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شریعت کی تعریف ہی موجود نہیں ہے۔ شریعت کیا ہے؟ جواب آتا ہے کہ "قرآن و سنت کا جس فرقے کے نزدیک جو مطلب ہے وہی شریعت ہے"... یہ شریعت ہے یا مذاق ہے؟ جس فرقے کے نزدیک قرآن و سنت کی جو تشریح ہے کہتے ہیں وہی قرآن و سنت ہے... قرآن و سنت تو ایک ہے، قرآن کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ

کتاب کو... اور سنت کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل کو... اُس کا فرقے کے ساتھ کیا تعلق ہے کہ جو فرقہ جو مرضی تشریح کرے... یہ تو دین کو متنازعہ بنانے والی بات ہے۔ فرقہ پرستی کو ہوا دینے والی بات ہے اور فرقہ پرستی کو رواج دینے والی بات ہے۔ اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو ضیاء الحق کے زکوٰۃ آرڈیننس کا تھا۔ اُس نے شیعوں کو زکوٰۃ دینے سے مستثنیٰ کیا... جو مسلمان تھے... اہل سنت والجماعت... اُن میں جو فاسق و فاجر تھے اور زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تھے، وہ بنک میں اپنے آپ لکھوا دیتے کہ ہم شیعہ ہیں...

اب یہاں یہ ہو گا کہ اگر کوئی آدمی مسلمان ہے... مقدمہ عدالت میں پیش ہوا... اُس کو نظر آیا کہ حنفی مذہب میں یا شافعی یا مالکی مذہب میں میرے لیے سزا ہے اور شیعوں کے ہاں میرے لیے سزا نہیں ہے... تو وہ کہہ دے گا کہ میں شیعہ ہوں، میرے نزدیک قرآن و سنت کی وہی تشریح معتبر ہے جو شیعوں کے ہاں ہے۔ تو کیا کریں گے آپ؟ قرآن و سنت کو مذاق بنانے والی بات ہے، قرآن و سنت کو مذاق بنایا جا رہا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اُس آرڈیننس کے اندر یہ لکھا ہے کہ وزیر اعظم جو آرڈر اسلام اور شریعت کے حوالے سے جاری کرے گا... جو بھی اُسے نہیں مانے گا وہ سزا کا مستحق ہو گا، سرکاری ملازم ہو گا تو برطرف کر دیا جائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ مقام ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام ہے کہ وہ جو حکم کریں بلا چون وچرا اُسے تسلیم کیا جائے۔ لیکن اُن کے علاوہ جتنے لوگ ہیں... اُن کے حوالے سے قاعدہ اور قانون قرآن کریم نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر اُن کا حکم اور اُن کی بات قرآن و سنت کے مطابق ہو تو ہم مانیں گے اور اگر قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہو تو ہم نہیں مانیں گے۔

کل ایک نشست میں لوگ برملا کہہ رہے تھے کہ اس بل کے پاس ہونے سے تو وزیر اعظم مجتہدِ مطلق بن جائے گا۔ میں نے کہا کہ مجتہد مطلق نہیں وہ 'قادر مطلق' بن جائے گا۔ پھر ظاہر ہے قرآن و سنت کی تشریح پاکستان کی کابینہ کرے گی... جیسے بھٹو کے دور میں قومی اتحاد بنا تھا تو پیپلز پارٹی والے اُس وقت نعرے لگاتے تھے کہ ''نو ستارے بلے بلے... آدھے کنجر، آدھے دلے''۔ وہ تو غلط تھا لیکن یہاں پر جو کابینہ ہے وہ واقعتاً آدھے کنجر، آدھے دلے ہیں۔ تو یہ قرآن و سنت کی تشریح کریں گے؟ یا قرآن و سنت کی تشریح یہ پارلیمنٹ سے، قومی اسمبلی اور سینٹ سے کرائیں گے؟ قومی اسمبلی اور سینٹ کی حالت یہ ہے کہ آپ نے علامہ اقبال کا نام سنا ہو گا... اُس کا بیٹا ہے جاوید اقبال... جو پہلے چیف جسٹس تھا لاہور ہائی کورٹ کا... اور اب سینیٹر ہے مسلم لیگ کا... اُس کا بیان چھپا نوائے وقت اخبار میں اور اُس پر اداریہ بھی لکھا گیا... کہ جب پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا ہے تو اسلام آباد میں شراب مہنگی ہو جاتی ہے۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ یہی اسمبلی کے ممبران... یہ سب شرابی ہیں۔ یہ لوگ اسلام کی تشریح کریں گے؟ اور یہ لوگ قرآن و سنت کی تشریح کریں گے؟

تیسرے نمبر پر یہ ہے کہ عدالتیں تشریح کریں گی... عدالتوں کے اندر جو جج بٹھائے ہوئے ہیں... اب اگر میں کچھ کہوں گا تو ''توہین عدالت'' ہو گی... وہ بے چارے کس حیثیت کے لوگ ہیں... لہٰذا شریعت بل کا سارا چکر ویسا ہی ہے جیسے نواز شریف نے کالا باغ ڈیم کے مسئلہ کو سر پر اٹھا کر اُسے متنازعہ بنا دیا... اسی طریقے سے اب اسلام کو متنازعہ بنانا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے میرے بھائیو! کہ اس دنیا میں جہاں بھی اسلام آئے گا... اسلام غالب ہو گا... وہ جہاد کے ذریعے سے ہو گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے...

میں جو آخری بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حالات کو دیکھ دیکھ کر اب الحمدللہ پاکستانی ملت میں بیداری پیدا ہو رہی ہے... خصوصاً نوجوان طبقے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک بیداری پیدا کی ہے... اور اُن کے ذہنوں میں انقلاب کا جذبہ پیدا ہوا اور وہ یہ سوچنے لگے کہ افغانستان میں اگر دین دار نوجوان اور دینی مدارس کے طلبہ اٹھ کر انقلاب لا سکتے ہیں تو پاکستان میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ وہاں پر اگر دینی مدارس کے لوگ حکومت چلا سکتے ہیں... امن و امان... امریکہ سے، برطانیہ سے، جرمنی سے، جاپان سے... سب سے بہتر ہے وہاں... تو اس سے لوگوں کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا۔ افغانستان میں جب انقلاب نہیں آیا تھا تو پاکستان میں کسی پر ظلم ہوتا تو وہ کہتا کہ ''یہاں خمینی آنا چاہیے جو سب کو ختم کر دے''۔ یہ وہ مجبوراً اس لیے کہتے تھے کہ کوئی اور مثال سامنے موجود نہیں تھی۔ اب الحمدللہ ایک مثال موجود ہے... اب جس کسی پر بھی ظلم ہوتا ہے وہ کہتا ہے ''یہاں طالبان آنے چاہئیں''... لیکن بھائی! بات یہ ہے کہ افغانستان کے اندر طالبان کی حکومت آئی اور اسلامی شریعت آئی... کب آئی؟... جب سولہ لاکھ انسان شہید ہوئے... دس لاکھ آدمی معذور ہوئے... کسی کا ہاتھ نہیں، کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ نہیں... اس کے بعد پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ انعام دیا، یہ احسان کیا کہ افغانستان کو اسلامی حکومت ملی... علما اور دینی مدارس کے طلبہ کی حکومت ملی اور اسلامی نظام ملا۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا انعام ہے، احسان ہے... اللہ تبارک و تعالیٰ یہ مفت میں کسی کو نہیں دیتے... جب تک کہ قربانیاں نہ ہوں۔ تو پاکستان میں لوگ یہ تمنا تو کرتے ہیں کہ طالبان کی حکومت ہو یا طالبان جیسی حکومت ہو لیکن اُس کے لیے جس قربانی کی ضرورت ہے اُس قربانی کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ رات کو ہم سوئیں اور صبح جب ہم اٹھیں تو طالبان کی حکومت ہو۔ ایسا تو نہیں ہوتا... اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ سنت اور طریقہ نہیں ہے... اللہ تبارک و تعالیٰ تو آزماتے ہیں اور آزمائش پر پورا اترنے کے بعد پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ہدایت کے اور انعامات کے دروازے کھولتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

جمہوریت اس دور کا صنمِ اکبر

مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

بعض غلط نظریات قبولیتِ عامہ کی ایسی سند حاصل کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء اس قبولیتِ عامہ کے آگے سر ڈال دیتے ہیں، وہ یا تو ان غلطیوں کا ادراک ہی نہیں کر پاتے یا اگر ان کو غلطی کا احساس ہو بھی جائے تو اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ دُنیا میں جو بڑی بڑی غلطیاں رائج ہیں ان کے بارے میں اہلِ عقل اسی المیے کا شکار ہیں۔ مثلاً بت پرستی کو لیجیے! خدائے وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر خود تراشیدہ پتھروں اور مورتیوں کے آگے سربسجود ہونا کس قدر غلط اور باطل ہے، انسانیت کی اس سے بڑھ کر توہین و تذلیل کیا ہوگی کہ انسان کو - جو اَشرف المخلوقات ہے - بے جان مورتیوں کے سامنے سرنگوں کر دیا جائے اور اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخلوق کو شریکِ عبادت کیا جائے۔ لیکن مشرک برادری کے عقلاء کو دیکھو کہ وہ خود تراشیدہ پتھروں، درختوں، جانوروں وغیرہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تمام تر عقل و دانش کے باوجود ان کا ضمیر اس کے خلاف احتجاج نہیں کرتا اور نہ وہ اس میں کوئی قباحت محسوس کرتے ہیں۔

اسی غلط قبولیتِ عامہ کا سکہ آج جمہوریت میں چل رہا ہے، جمہوریت دورِ جدید کا وہ صنمِ اکبر ہے جس کی پرستش اوّل اوّل دانایانِ مغرب نے شروع کی، چونکہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے اس لیے ان کی عقلِ نارسا نے دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں جمہوریت کا بت تراش لیا اور پھر اس کو مثالی طرزِ حکومت قرار دے کر اس کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ پوری دُنیا میں اس کا غلغلہ بلند ہوا یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کر دی۔ کبھی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ اسلام جمہوریت کا عَلم بردار ہے اور کبھی اسلامی جمہوریت کی اصطلاح وضع کی گئی، حالانکہ مغرب جمہوریت کے جس بت کا پجاری ہے اس کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی ضد ہے، اس لیے اسلام کے ساتھ جمہوریت کا پیوند لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اسلام، نظریۂ خلافت کا داعی ہے جس کی رُو سے اسلامی مملکت کا سربراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی زمین پر اَحکامِ الٰہیہ کے نفاذ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ مسند الہند حکیم الاُمت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، خلافت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> مسئلہ در تعریف خلافت: هی الرياسة العامة فی التصدی لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطائهم من الفيئ والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر نيابة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ازالۃ الخفاء ص:۲)

> ”خلافت کے معنی ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں دِین کو قائم (اور نافذ) کرنے کے لیے مسلمانوں کا سربراہ بننا۔ دِینی علوم کو زندہ رکھنا، ارکانِ اسلام کو قائم کرنا، جہاد کو قائم کرنا اور متعلقاتِ جہاد کا انتظام کرنا، مثلاً: لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا اور مالِ غنیمت ان میں تقسیم کرنا، قضا و عدل کو قائم کرنا، حدودِ شرعیہ کو نافذ کرنا اور مظالم کو رفع کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا“۔

اس کے برعکس جمہوریت میں عوام کی نمائندگی کا تصوّر کارفرما ہے، چنانچہ جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

”جمہوریت وہ نظامِ حکومت ہے جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے“۔

گویا اسلام کے نظامِ خلافت اور مغرب کے تراشیدہ نظامِ جمہوریت کا راستہ پہلے ہی قدم پر الگ الگ ہو جاتا ہے، چنانچہ:

خلافت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا تصوّر پیش کرتی ہے، اور جمہوریت عوام کی نیابت کا نظریہ پیش کرتی ہے۔

خلافت، مسلمانوں کے سربراہ پر اِقامتِ دِین کی ذمہ داری عائد کرتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کا دِین قائم کیا جائے، اور اللہ کے بندوں پر، اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے مقرّر کردہ نظامِ عدل کو نافذ کیا جائے، جبکہ جمہوریت کو نہ خدا اور رسول سے کوئی واسطہ ہے، نہ دِین اور اقامتِ دِین سے کوئی غرض ہے، اس کا کام عوام کی خواہشات کی تکمیل ہے اور وہ ان کے منشا کے مطابق قانون سازی کی پابند ہے۔

اسلام، منصبِ خلافت کے لیے خاص شرائط عائد کرتا ہے، مثلاً: مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، سلیم الحواس ہو، مرد ہو، عادل ہو، اَحکامِ شرعیہ کا عالم ہو، جبکہ جمہوریت ان شرائط کی قائل نہیں، جمہوریت یہ ہے کہ جو جماعت بھی عوام کو سبز باغ دِکھا کر اسمبلی میں زیادہ نشستیں حاصل کر لے اسی کو عوام کی نمائندگی کا حق ہے۔ جمہوریت کو اس سے بحث نہیں کہ عوامی اکثریت حاصل کرنے والے ارکان مسلمان ہیں یا کافر، نیک ہیں یا بد، متقی و پرہیزگار ہیں یا فاجر و بدکار، اَحکامِ شرعیہ کے عالم ہیں یا جاہلِ مطلق اور لائق ہیں یا کندہ ناتراش، الغرض! جمہوریت میں عوام کی پسند و ناپسند ہی سب سے بڑا معیار ہے اور اسلام نے جن اوصاف و شرائط کا کسی حکمران میں پایا جانا ضروری قرار دیا، وہ عوام کی حمایت کے

بعد سب لغو اور فضول ہیں، اور جو نظامِ سیاست اسلام نے مسلمانوں کے لیے وضع کیا ہے وہ جمہوریت کی نظر میں محض بے کار اور لایعنی ہے، نعوذ باللہ!

خلافت میں حکمران کے لیے بالاتر قانون کتاب و سنت ہے، اور اگر مسلمانوں کا اپنے حکام کے ساتھ نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رَدّ کیا جائے گا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا، جس کی پابندی راعی اور رعایا دونوں پر لازم ہوگی۔ جبکہ جمہوریت کا فتویٰ یہ ہے کہ مملکت کا آئین سب سے مقدس دستاویز ہے اور تمام نزاعی اُمور میں آئین و دستور کی طرف رُجوع لازم ہے، حتیٰ کہ عدالتیں بھی آئین کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کر سکتیں۔ لیکن ملک کا دستور اپنے تمام تر تقدس کے باوجود عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے، وہ مطلوبہ اکثریت کے بل بوتے پر اس میں جو چاہیں ترمیم و تنسیخ کرتے پھریں، ان کو کوئی روکنے والا نہیں، اور مملکت کے شہریوں کے لیے جو قانون چاہیں بناڈالیں، کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں۔ یاد ہوگا کہ انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے دو مردوں کی شادی کو قانوناً جائز قرار دیا تھا اور کلیسا نے ان کے فیصلے پر صاد فرمایا تھا، چنانچہ عملاً دو مردوں کا، کلیسا کے پادری نے نکاح پڑھایا تھا، نعوذ باللہ!

حال ہی میں پاکستان کی ایک محترمہ کا بیان اخبارات کی زینت بنا تھا کہ جس طرح اسلام نے ایک مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے، اسی طرح ایک عورت کو بھی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ بیک وقت چار شوہر رکھ سکے۔ ہمارے یہاں جمہوریت کے نام پر مرد و زن کی مساوات کے جو نعرے لگ رہے ہیں، بعید نہیں کہ جمہوریت کا نشہ کچھ تیز ہو جائے اور پارلیمنٹ میں یہ قانون بھی زیر بحث آ جائے۔ ابھی گزشتہ دنوں پاکستان ہی کے ایک بڑے مفکر کا مضمون اخبار میں شائع ہوا تھا کہ شریعت کو پارلیمنٹ سے بالاتر قرار دینا قوم کے نمائندوں کی توہین ہے، کیونکہ قوم نے اپنے منتخب نمائندوں کو قانون سازی کا مکمل اختیار دیا ہے۔ ان صاحب کا یہ عندیہ جمہوریت کی صحیح تفسیر ہے، جس کی رُو سے قوم کے منتخب نمائندے شریعتِ الٰہی سے بھی بالاتر قرار دیئے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں شریعت بل کئی سالوں سے قوم کے منتخب نمائندوں کا منہ تک رہا ہے لیکن آج تک اسے شرفِ پذیرائی حاصل نہیں ہو سکا، اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام، مغربی جمہوریت کا قائل ہے؟

تمام دُنیا کے عقلاء کا قاعدہ ہے کہ کسی اہم معاملے میں اس کے ماہرین سے مشورہ لیا جاتا ہے، اسی قاعدے کے مطابق اسلام نے انتخابِ خلیفہ کی ذمہ داری اہلِ حل و عقد پر ڈالی ہے، جو رُموزِ مملکت کو سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس کے لیے موزوں ترین شخصیت کون ہو سکتی ہے، جیسا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا:

انما الشوریٰ للمهاجرين والأنصار

"خلیفہ کے انتخاب کا حق صرف مہاجرین و انصار کو حاصل ہے"۔

لیکن بت کدۂ جمہوریت کے برہمنوں کا فتویٰ یہ ہے کہ حکومت کے انتخاب کا حق ماہرین کو نہیں بلکہ عوام کو ہے۔ دُنیا کا کوئی کام اور منصوبہ ایسا نہیں جس میں ماہرین کے بجائے عوام سے مشورہ لیا جاتا ہو، کسی معمولی سے معمولی ادارے کو چلانے کے لیے بھی اس کے ماہرین سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے، لیکن یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ حکومت کا ادارہ (جو تمام اداروں کی ماں ہے اور مملکت کے تمام وسائل جس کے قبضے میں ہیں، اس کو) چلانے کے لیے ماہرین سے نہیں بلکہ عوام سے رائے لی جاتی ہے، حالانکہ عوام کی ننانوے فیصد اکثریت یہی نہیں جانتی کہ حکومت کیسے چلائی جاتی ہے؟ اس کی پالیسیاں کیسے مرتب کی جاتی ہیں؟ اور حکمرانی کے اُصول و آداب اور نشیب و فراز کیا کیا ہیں...؟ ایک حکیم و دانا کی رائے کو ایک گھسیارے کی رائے کے ہم وزن شمار کرنا، اور ایک کندہ ناتراش کی رائے کو ایک عالی دماغ مدبر کی رائے کے برابر قرار دینا، یہ وہ تماشا ہے جو دُنیا کو پہلی بار جمہوریت کے نام سے دِکھایا گیا ہے۔

درحقیقت عوام کی حکومت، عوام کے لیے اور عوام کے مشورے سے کے الفاظ محض عوام کو اُلّو بنانے کے لیے وضع کیے گئے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جمہوریت میں نہ تو عوام کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے اور نہ عوام کی اکثریت کے نمائندے حکومت کرتے ہیں، کیونکہ جمہوریت میں اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی کہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے کون کون سے نعرے لگائے جائیں گے اور کن کن ذرائع کو استعمال کیا جائے گا؟ عوام کی ترغیب و تحریص کے لیے جو ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جائیں، ان کو گمراہ کرنے کے لیے جو سبز باغ بھی دِکھائے جائیں اور انہیں فریفتہ کرنے کے لیے جو ذرائع بھی استعمال کیے جائیں وہ جمہوریت میں سب روا ہیں۔

اب ایک شخص خواہ کیسے ہی ذرائع اختیار کرے، اپنے حریفوں کے مقابلے میں زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے، وہ عوام کا نمائندہ شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ عوام بھی جانتے ہیں کہ اس شخص نے عوام کی پسندیدگی کی بنا پر زیادہ ووٹ حاصل نہیں کیے بلکہ روپے پیسے سے ووٹ خریدے ہیں، دھونس اور دھاندلی کے حربے استعمال کیے ہیں اور غلط وعدوں سے عوام کو دھوکا دیا ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ شخص نہ روپے پیسے کا نمائندہ کہلاتا ہے، نہ دھونس اور دھاندلی کا منتخب شدہ اور نہ جھوٹ، فریب اور دھوکا دہی کا نمائندہ شمار کیا جاتا ہے، چشم بد دُور! یہ قوم کا نمائندہ کہلاتا ہے۔ انصاف کیجئے! کہ قوم کا نمائندہ اسی قماش کے آدمی کو کہا جاتا ہے؟ اور کیا ایسے شخص کو ملک و قوم سے کوئی ہمدردی ہو سکتی ہے...؟ عوامی نمائندگی کا مفہوم تو یہ ہونا چاہئے کہ عوام کسی شخص کو ملک و قوم کے لیے مفید ترین سمجھ کر اسے بالکل آزادانہ طور پر منتخب کریں، نہ اس اُمیدوار کی طرف سے کسی قسم کی تحریص و ترغیب ہو، نہ کوئی دباؤ ہو، نہ برادری اور قوم کا واسطہ ہو، نہ روپے پیسے کا کھیل ہو

(بقیہ صفحہ ۸۳ پر)

۱۹۔ تکبر خصوصاً جو جیت جائے اسکا تکبر قابل دید ہوتا ہے

۲۰۔ دشمنی و قتل اور خونریزی تک کا ارتکاب

۲۱۔ تصویر اور فوٹو کھنچوانا

۲۲۔ قیمتی وقت ان جمہوری تماشوں میں ضائع کرنا

۲۳۔ مسلمانوں کے املاک کو نقصان پہنچانا

۲۴۔ گانا بجانا اور میوزک کا استعمال

۲۵۔ اپنے اپنے امیدوار کی اس کے منہ پر تعریف کرنا

۲۶۔ جعلسازی، دھوکہ، فریب اور دھاندلی کرنا

۲۷۔ قومی وسائل کا بے دریغ استعمال

۲۸۔ کفر، ظلم اور گناہ پر معاونت اور مدد کرنا

۲۹۔ نااہلوں کو نمائندگی اور حکمرانی دینا

۳۰۔ خوشامد اور چاپلوسی کرنا

۳۱۔ مسلمانوں کو ایذا دینا مثلاً راستے بند کرنا، تیز آواز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا

۳۲۔ اپنے مسلمان بھائی کی رسوائی، شکست اور تکلیف پر اظہار شماتت اور خوشی

۳۳۔ مسلمانوں کا مختلف تنظیموں اور پارٹیوں میں بٹنا اور امت واحدہ کے تصور کی بیخ کنی ہونا۔

۳۴۔ عورتوں کی بے پردگی اور بلاضرورت (الیکشن مہم اور ووٹ کی خاطر) گھروں سے نکلنا

۳۵۔ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کی تذلیل کرنا استہزاء سخریہ اور ہنسی مذاق اڑانا یعنی اکرام مسلم کے تصور کی نفی۔

۳۶۔ مسلمان کا مسلمان کے مقابلہ میں حریف بن جانا حتیٰ کہ علما بھی، حالانکہ مسلمان کا حریف اللہ تعالیٰ نے کافر و منافق کو بنایا ہے نہ کہ مسلمان کو، بلکہ مسلمان تو مسلمان کا حلیف ہوتا ہے

شیطانی نظام جمہوریت اور جمہوری انتخابات کی وجہ سے مسلمان ان عظیم گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں ان میں سے ایک گناہ ہی اللہ تعالیٰ کے قہر وعذاب کو دعوت دینے کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ ان تمام نافرمانیوں کا کھلم کھلا ارتکاب۔ کیوں نہ اس لعنتی نظام جمہوریت سے چھٹکارا حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر کو دعوت دینے والے ان خطرناک گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: جمہوریت اس دور کا صنم اکبر

الغرض اس شخصیت کی طرف سے اپنی نمائش کا کوئی سامان نہ ہو اور عوام کو بے وقوف بنانے کا اس کے پاس کوئی حربہ نہ ہو۔ قوم نے اس کو صرف اور صرف اس بنا پر منتخب کیا ہو کہ یہ اپنے علاقے کا لائق ترین آدمی ہے، اگر ایسا انتخاب ہوا کرتا تو بلاشبہ یہ عوامی انتخاب ہوتا اور اس شخص کو قوم کا منتخب نمائندہ کہنا صحیح ہوتا، لیکن عملاً جو جمہوریت ہمارے یہاں رائج ہے، یہ عوام کے نام پر عوام کو دھوکا دینے کا ایک کھیل ہے اور بس...!

کہا جاتا ہے کہ: جمہوریت میں عوام کی اکثریت کو اپنے نمائندوں کے ذریعہ حکومت کرنے کا حق دیا جاتا ہے یہ بھی محض ایک پُرفریب نعرہ ہے، ورنہ عملی طور پر یہ ہو رہا ہے کہ جمہوریت کے غلط فارمولے کے ذریعہ ایک محدود سی اقلیت، اکثریت کی گردنوں پر مسلط ہو جاتی ہے! مثلاً: فرض کر لیجئے کہ ایک حلقۂ انتخاب میں ووٹوں کی کل تعداد پونے دو لاکھ ہے، پندرہ اُمیدوار ہیں، ان میں سے ایک شخص تیس ہزار ووٹ حاصل کر لیتا ہے، جن کا تناسب دُوسرے اُمیدواروں کو حاصل ہونے والے ووٹوں سے زیادہ ہے، حالانکہ اس نے صرف سولہ فیصد حاصل کیے ہیں، اس طرح سولہ فیصد کے نمائندے کو ۸۴ فیصد پر حکومت کا حق حاصل ہوا۔ فرمایئے! یہ جمہوریت کے نام پر ایک محدود اقلیت کو غالب اکثریت کی گردنوں پر مسلط کرنے کی سازش نہیں تو اور کیا ہے...؟ چنانچہ اس وقت مرکز میں جو حکومت کوس لمن الملک بجا رہی ہے، اس کو ملک کی مجموعی آبادی کے تناسب سے ۳۳ فیصد کی حمایت بھی حاصل نہیں، لیکن جمہوریت کے تماشے سے نہ صرف وہ جمہوریت کی پاسبان کہلاتی ہے بلکہ اس نے ایک عورت کو ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنا رکھا ہے۔

الغرض! جمہوریت کے عنوان سے عوام کی حکومت، عوام کے لیے کا دعویٰ محض ایک فریب ہے، اور اسلام کے ساتھ اس کی پیوندکاری فریب در فریب ہے، اسلام کا جدید جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں، نہ جمہوریت کو اسلام سے کوئی واسطہ ہے، ضدان لا یجتمعان (یہ دو متضاد جنسیں ہیں جو اکٹھی نہیں ہو سکتیں)

☆☆☆☆☆

"اللہ تعالیٰ، پہلے انبیاء کرام علیہم السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علمائے امت اور مشاہدات کا قطعی فیصلہ ہے کہ، کفر و شرک اور جرائم سے معاشرہ کو پاک کرنے اور دنیا میں اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے صرف زبانی تبلیغ کافی نہیں، جب تک قتال کے ذریعہ کفار کی بڑی بڑی حکومتوں کی شان و شوکت نہ توڑی جائے۔ اس وقت تک نہ عام کفار اسلام کی حقانیت پر سنجیدگی سے غور کر سکتے ہیں اور نہ مسلمان معاشرہ ان کفار کے تسلط، سائنسی ترقی اور مکروہ پروپیگنڈوں اور سازشوں سے پھیلائے ہوئے فواحش و منکرات سے پاک ہو سکتا ہے"۔

فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

نظامِ جمہوریت... دینِ جدید

شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ

جب ہم جمہوریت کا جائزہ لیتے ہیں تو اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ جمہوریت تو ایک مکمل و مستقل دین ہے۔ دیگر ادیان کی طرح اس کے اپنے مفاہیم، اصول و قواعد، نظریات اور اقدار ہیں۔ اس حقیقت کو جان لیا جائے تو بیان کردہ عبارتوں کی قباحت و بدصورتی مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہو گا جیسے کوئی کہے: یہودی اسلام، عیسائی اسلام، اسلامی یہودیت، اسلامی نصرانیت یا اسلامی مجوسیت۔ کیا اس روئے زمین پر کوئی جاہل اور گناہگار مسلمان ایسا بھی ہو گا جو ان ناموں کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو؟ یا اپنے لیے بطورِ دین انہیں پسند کرے؟ یقیناً زمین کے کسی دور دراز کنارے پر بسنے والی ایک بوڑھی مسلمان خاتون، کہ جسے نئی تہذیب اور ثقافت کے جراثیم نہ پہنچے ہوں وہ بھی یہ کلمات سنتے ہی فوراً ہی ان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے گی۔ اور یہ کلمات ان کے کہنے والوں کے منہ پر دے مارے گی اور کہے گی کہ مجھے ایسا کوئی دین نہیں چاہیے۔ سمندر یا فضا میں کھیت اگ سکتے ہیں؛ یہ بات شاید اس عورت کو اس عبارت کو تسلیم کروانے سے زیادہ آسان ہو۔ اگر آپ کو اس بات میں کوئی شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لیجیے۔

تو پھر ہم جمہوریت کو اسلام کے ساتھ جوڑنے کی مذموم کوشش کیوں کریں؟... جب کہ یہ بات ہمیں سخت ناپسند ہے اور ہر مسلمان بھی اس بات کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اسلام کو یہودیت، عیسائیت یا مجوسیت کے ساتھ جوڑا جائے۔

لہٰذا اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ جمہوریت ہر اعتبار سے دینِ اسلام کی ضد ہے اور اسلام مخالف ادیان کی طرح ایک مکمل دین ہے۔ جمہوریت کی اس حقیقت کو جاننا اس لیے لازم ہے کہ وہ لوگ جو اس دینِ جدید کے پھیلائے جال میں الجھ کر رہ گئے ہیں انہیں اس بات کا حقیقی ادراک ہو سکے کہ جب وہ جمہوریت کے تانے بانے اسلام کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو در حقیقت اسلام کی توحید کو جمہوریت کے شرک کے ساتھ اور اسلام کے نور کو جمہوریت کے اندھیروں کے ساتھ ملانے کے جرمِ عظیم میں ملوث ہوتے ہیں۔ بھلا اسلام کی اعلیٰ اقدار، پاکیزہ اخلاق اور عدل و انصاف کا خود ساختہ جمہوریت کے ظلم و جبر اور بے انصافیوں سے کیا تعلق؟ کیا تاریکیوں کا رشتہ اجالوں کے ساتھ جوڑا جا سکتا؟ کیا اللہ کی غلامی و عبودیت (اسلام) اور خواہشاتِ نفس کی پیروی (جمہوریت) ایک ہو سکتے ہیں؟

لہٰذا جمہوری اسلام کے دعویداروں سے ہمارا پہلا سوال تو یہ ہے کہ تم ڈیموکریسی کا لفظ اسلام میں ثابت کر کے دکھلاؤ۔ اس مقصد کے لیے عربی لغت کی تمام کتابیں چھان مارو، تمام اشعار عرب کو پڑھ کر دیکھ لو، اہلِ فصاحت و بلاغت میں سے جس سے چاہو پوچھ لو بلکہ گاؤں میں رہنے والی بوڑھی عرب خواتین سے پتہ کر لو اور بادیہ نشین دیہاتیوں سے استفسار کر لو۔ کیا اصل و فصیح لغتِ عرب میں تمہیں ڈیموکریسی کا لفظ مل سکتا ہے؟ فصیح تو کجا غیر فصیح عرب لغت میں بھی تم یہ لفظ نہیں پاؤ گے۔ ثابت ہوا کہ یہ لفظ ہماری زبان میں اجنبی ہے جو مغرب سے درآمد شدہ ہے۔ اسے گھڑنے والوں کے نزدیک اس کے خاص اصطلاحی معنی ہیں جن سے اسے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری زبان میں ان معنی کو "عوام کی حاکمیت" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی ایک فقرے میں جمہوریت کا نچوڑ اور خلاصہ موجود ہے اور اگر اس معنی کو جمہوریت سے نکال دیا جائے تو جمہوریت کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ تمام جمہوری نظام اگرچہ متعدد راہیں رکھتے ہیں لیکن ان سب کی منزل ایک ہے... یعنی "عوام کی حاکمیت"۔ کوئی بھی مسلم یا غیر مسلم یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں جس جمہوریت کو مانتا ہوں وہ اِس معنی سے عاری ہے اور عوام کی حاکمیت کا اقرار نہیں کرتی۔ اور اگر کوئی عقل سے عاری شخص یہ دعویٰ کرتا ہے تو اس کا حال اُسی شخص کی طرح ہو گا جو یہ کہے کہ میں ایسی یہودیت کی طرف دعوت دے رہا ہوں جو اپنے بنیادی مضامین و معانی سے خالی ہے۔ تو کیا ایسے شخص کے دعوے کی تصدیق کی جائے گی؟ کیا کوئی مسلمان ایسی یہودیت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو گا؟

دینِ جمہوریت میں عوام کو حاکم تصور کیا جاتا ہے، اس طور پر کہ عوام کی طاقت ہی اصل طاقت ہے اور عوام کا فیصلہ ہی نافذ العمل ہے۔ عوام کا ارادہ ہی دینِ جمہوریت میں رائج ہو گا اور عوام کے قوانین ہی لاگو و قابلِ احترام ہوں گے۔ اس نظام کے مطابق کسی کو جرأت نہیں کہ عوام کے حکم پر نظرِ ثانی کر سکے یا ان کے فیصلے کو ٹال سکے، گو کہ عوام اپنی حکمرانی میں کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

مجھے یہ بات بھی معلوم ہے کہ کوئی مسلمان بھی ان کلمات کو پسند نہیں کرے گا۔ بلکہ انہیں انتہائی ناپسندیدگی اور نفرت و ملامت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اور اللہ کی قسم! یہ نفرت کے حق دار ہی ہیں... اور ملامت کے حقدار تو وہ لوگ ہیں جو اسلامی جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں اور عوام کے سامنے اس کی اصل حقیقت کا اظہار نہیں کرتے اور جمہوریت کے بدصورت چہرے کا نقاب نہیں الٹتے بلکہ فاسد تاویلات اور حیلہ سازیوں کے ذریعے اس کی قباحتوں پر پردہ ڈالتے اور اسے مستحسن قرار دیتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

چونکہ یہ ناممکن ہے کہ تمام عوام کو ایک میدان میں جمع کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی اجتماعی یا اکثریتی رائے سے قانون سازی کر سکیں، لہٰذا مغرب نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک خاص نظام وضع کیا ہے۔ اس نظام میں عوامی نمائندے عوام کی مرضی اور رائے سے منتخب ہو کر ان کی ترجمانی کرتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے پارلیمان کو تشکیل دیا جاتا ہے جس کا ہر رکن اپنے حلقے کے عوام کا ترجمان اور قائم مقام ہوتا ہے، اس کی رائے عوام کی رائے سمجھی جاتی ہے اور اس کا فیصلہ عوامی فیصلہ کہلاتا ہے، جمہوری نظام میں پارلیمنٹ ہی قانون سازی کا بالاتر ادارہ ہوتا ہے اور اسے ہر طرح کے قانون بنانے کی کھلی آزادی ہوتی ہے صرف اس شرط پر کہ وہ قانون آئین سے متصادم نہ ہوں۔ (یہ بات پیشِ نظر رہے کہ پاکستان کے آئین میں پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کے ذریعے سے ترمیم و اضافہ کیا جا سکتا

ہے... مترجم)۔ اس شرط کا لحاظ رکھنے کے بعد پھر پارلیمان کو کھلی چھوٹ ہے کہ شریعت کے مطابق یا مخالف، جیسے چاہے قانون بنائے کیونکہ یہ عوام کا منتخب شدہ ادارہ ہے اور جمہوریت یہ کہتی ہے کہ حاکمیت صرف عوام کا حق ہے۔ لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کرنے یا تلملانے کا حق نہیں ہے۔ الاسآء مایحکمون (بہت برا ہے جو یہ فیصلہ کرتے ہیں)۔ پارلیمان کی ذمہ داری ہی یہ ہے کہ قانون سازی کرے، خواہ اس کا نام پارلیمنٹ ہو، دستور ساز اسمبلی یا ایوانِ نمائندگان۔ یہ ایک ہی ادارے کے مختلف نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف:۴۰)

”تم اُس (ذاتِ باری تعالیٰ) کے سوا صرف ناموں ہی کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے مقرر کیے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی، حکم تو صرف اللہ کے لیے خالص ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی کی عبادت مت کرو، یہی مضبوط اور مستحکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“۔

جس کے دل میں ایمان کا نور موجود ہے اسے یقین کی حد تک یہ معلوم ہے کہ یہ دینِ جدید (جمہوریت) ایک لحظے کے لیے بھی نہ تو دل و دماغ میں اور نہ ہی عملی زندگی میں ایمان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ جب کوئی شخص اس دینِ جدید (جمہوریت) کو قبول کرتا ہے تو دوسرے دین کو منہدم کر کے ہی نئے دین میں داخل ہوتا ہے۔ جس نے یہ حقیقت جان لی، سو جان لی اور جو اس حقیقت سے جاہل رہا، سو جاہل رہا۔ اور بہت بری ہے وہ جہالت جو انسان کو ایمان کی سربلندی سے اٹھا کر کفر کی کھائیوں میں جا گراتی ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی۔ یہ حقیقت ہر اس شخص پر واضح اور عیاں ہو چکی ہے جو حق سے عناد اور بغض نہیں رکھتا۔ البتہ مزید وضاحت کے لیے ہم جمہوریت کے بعض اہم امور کا تذکرہ کرنا چاہیں گے جو دینِ اسلام سے مکمل تضاد رکھتے ہیں۔ یہ اس لیے تاکہ ہمیں اس عظیم جرم کا ادراک ہو سکے جسے جمہوری اسلام کے دعوے دار اسلام اور مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر کے انہیں ہلاکت کی راہوں پر دھکیلنا چاہتے ہیں، بلکہ دھکیل چکے ہیں اور آج حیرت و اضطراب اور نحوست و عذاب کی شکل میں امتِ مسلمہ اس جمہوری تماشے کا مزہ چکھ رہی ہے۔

اولاً: وہ بنیادی اصول جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت کی نازل کردہ شریعت کو غیر مشروط طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ اسی میں بندوں کا امتحان بھی ہے اور یہی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے کسوٹی بھی ہے۔ اگر بندہ اپنے رب کی غیر مشروط اطاعت نہ کرے تو وہ بندہ نہ ہوا۔ لہٰذا بندے کا یہ کام نہیں کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے، اپنی عادت کو اس پر ترجیح دے، اپنے تجربے کی بنیاد پر حکمِ الٰہی سے سرتابی کرے یا اپنی رائے کو اللہ کے حکم کے مقابلے میں قابلِ احترام سمجھے۔ خواہ فرد ہو یا جماعت، پارلیمنٹ ہو یا عوام، کوئی قبیلہ ہو یا تنظیم سب پر لازم ہے کہ اللہ کے احکامات کے سامنے جھک جائیں اور اس کی نازل کردہ شریعت کو دل و جان اور قلب و قالب سے تسلیم کر لیں۔ کوئی مسلمان خواہ کتنے ہی دعوے یا زعم کیوں نہ رکھتا ہو اس وقت تک حقیقی مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اسلام کی یہ حقیقت اس کے دل میں ثبت نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النساء:۱۲۵)

”اور اس شخص سے اچھا دین کس کا ہو سکتا ہے جس نے خود کو اللہ کے (حکم کے) سامنے جھکا دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ملتِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کی جو یکسو تھے“۔

تو جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی کے لیے اس بارے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو من و عن تسلیم کر لینا اور اس کے سامنے جھک جانا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

”اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہو گیا“۔

یہی اسلام کا بنیادی اصول ہے جس کی طرف انتہائی تاکید کے ساتھ دعوت دی گئی ہے۔ جب کہ دینِ جمہوریت میں تو اسلام کے مندرجہ بالا اصول کو بالکل منہدم کر دیا گیا ہے۔ نظامِ جمہوریت میں بلکہ صحیح تر الفاظ میں دینِ جمہوریت میں انسانوں کو ہر قسم کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور جب تک کوئی قانون پارلیمنٹ سے منظور نہ ہو اس وقت تک اس کو کوئی تقدس، احترام یا حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔

آسمانوں سے نازل ہونے والے احکاماتِ الٰہی کہ جنہیں سن کر ہر مسلمان مرد و زن پر یہ کہنا واجب ہوتا ہے کہ سمعنا و اطعنا...ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ لیکن ان کے بارے میں جمہوریت کہتی ہے کہ ہم ابھی ان پر نظر ثانی کریں گے۔ بحث و مباحثہ ہو گا، ترمیم و اضافہ ہو گا، جسے چاہیں گے مانیں گے اور جسے چاہیں گے رد کر دیں گے۔ گویا دینِ جمہوریت میں اللہ رب العزت کے حقوق ارکان پارلیمنٹ کو تفویض کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے، اب اگر روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک بسنے والے تمام جن و انس

مل جائیں اور شراب کے جواز یا حرمت کا از سر نو جائزہ لیں تو صرف اسی بات پر وہ معاند کفار بن جائیں گے خواہ اس جائزے کے بعد اسے حرام ہی کیوں نہ قرار دیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہے جب کہ جمہوریت نے تو تمام احکاماتِ الٰہیہ پر نظرِ ثانی اور حک و تنسیخ کے دروازے چوپٹ کھول رکھے ہیں۔ پورا دین گویا کہ عوامی اختیار اور ارادے کا ماتحت ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر عوام اسے قبول کر لیں پھر تو یہ محترم و مقدس و قابل عمل دین قرار پائے گا اور اگر عوام اسے رد کر دیں تو نعوذ باللہ یہ بے وزن، بے وقعت اور مردود ٹھہرے گا۔ یہاں تک کہ جمہوری اسلام کے بعض دعویداروں نے تو بصراحت کہا ہے کہ اگر عوام ملحد کیمونسٹ طرزِ حکومت اختیار کریں تب بھی ان کے اختیار کا احترام کیا جائے گا اور اگر خود عوام ہی اسلامی حکومت کو رد کر دیں تو تب بھی ان کی پسند و اختیار کو تقدیس حاصل ہو گی۔ جب کہ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:

وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ (الرعد:۴۱)

"اللہ فیصلہ کرتا ہے... کوئی اس کے فیصلے پر نظرِ ثانی نہیں کر سکتا"۔

اس کے برعکس جمہویت کہتی ہے کہ نہیں، ہزار بار نہیں... بلکہ عوام فیصلہ کرتے ہیں اور عوامی فیصلے کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ قرآنِ کریم کہتا ہے:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِھِمْ (الاحزاب:۳۶)

"اور کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں"

جب کہ جمہوریت کہتی ہے نہیں... بلکہ عوام کو تمام اختیارات حاصل ہیں، حق وہ ہے جسے عوام قبول کریں اور باطل وہ ہے جسے عوام رد کر دیں۔ عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی سے جیسے چاہیں احکام و قوانین اختیار کریں۔ قرآن پاک کا فرمان ہے:

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (النور:۵۱)

"مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا"۔

جب کہ جمہوریت کہتی ہے کہ نہیں... بلکہ جب لوگوں کو عوامی فیصلے کی طرف بلایا جائے تو انہیں کہنا چاہیئے کہ سمعنا و اطعنا... ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ قرآن مجید کہتا ہے:

وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ (الزخرف: ۸۴)

"اور وہی ذاتِ باری تعالیٰ آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین پر بھی معبود ہے"

لیکن نعوذ باللہ! جمہوریت گویا اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے کہتی ہے ٹھیک ہے آسمان تو تیرا ہے لیکن زمین عوام کی ہے اور اس پر حکمرانی اور قانون سازی کا حق بھی صرف عوام کو حاصل ہے۔ اللہ رب العزت نے سچ فرمایا:

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ (یوسف:۱۰۶)

"اور اکثر لوگ اللہ پر ایمان کا (دعویٰ) رکھنے کے ساتھ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں"۔

اللہ کی قسم! جمہوریت تو قریش اور عرب کی اِنہی پامال راہوں پر گامزن ہے جو دورانِ حج کہا کرتے تھے: لبیک اللہم لبیک، لبیک لاشریک لہ، الا شریک ھولک تملکہ وما ملک "حاضر ہیں اے اللہ! ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیرا ہی ہے تو ہی اس کا مالک ہے اور اس کے اختیارات بھی تیری ملکیت ہیں"۔

قرآن مجید نے واشگاف انداز میں مسئلہ حاکمیت کی حقیقت بیان کی ہے:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (النساء:۶۵)

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ تب تک مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں۔

اس آیت کے سببِ نزول کے حوالے سے بعض علما نے لکھا ہے کہ دو آدمی اپنا جھگڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحق کے حق میں فیصلہ دے دیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا کہ میں اس فیصلہ پر راضی نہیں۔ دوسرے فریق نے پوچھا کہ پھر تم کیا چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ ابو بکر صدیقؓ سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ وہ دونوں سیدھا ابو بکرؓ کے پاس گئے اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے انہیں بتایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں کر چکے ہیں۔ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ جو فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ لیکن دوسرا فریق اب بھی راضی نہیں ہوا اور کہنے لگا کہ ہم عمر بن خطابؓ کے پاس جائیں گے۔ لہٰذا وہ دونوں سیدنا عمر بن خطابؓ کے پاس پہنچے اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں کر چکے ہیں لیکن دوسرا فریق اس پر راضی نہ ہوا اور پھر ہم ابو بکر صدیقؓ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا تمہارے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بہتر ہے لیکن دوسرے فریق نے ان کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ عمر فاروقؓ نے دوسرے فریق سے استفسار کیا کہ آیا یہ معاملہ اسی طرح ہوا ہے؟ اس نے اقرار کیا۔ عمر فاروقؓ اپنے گھر کے اندر چلے گئے۔ واپس نکلے تو ان کے ہاتھ میں بے نیام

تلوار تھی جس سے انہوں نے اس شخص کا سر قلم کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کے لیے میرا فیصلہ یہی ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (تفسیر ابن کثیر ۲۔۲۵۳)

جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر نظرِ ثانی کی درخواست کرنے والے ایک شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ دوٹوک فیصلہ صادر فرمایا، حالانکہ اس نے صرف ایک معاملے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر نظرِ ثانی کے لیے کہا تھا اور رجوع بھی ان عظیم القدر شخصیات کی طرف کیا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ترین ہیں، تو ان لوگوں کا کیا معاملہ ہوگا جو دینِ جمہوریت کی طرف بلاتے ہیں جب کہ دینِ جمہوریت میں تو پورا اسلام ہی عوام کے ارادے پر معلق ہوتا ہے۔ عوام چاہے گی تو اس کا نفاذ ہوگا ورنہ نہیں۔ اس بدترین دینِ جمہوریت میں تو اللہ تعالیٰ کے قطعی احکامات مثلاً شراب، زنا اور فواحش کی آزادی کو بھی پارلیمان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ غور کرے کہ آیا ان کی تحریم مناسب ہے یا تحلیل۔ احکامِ الٰہی پر نظرِ ثانی کرنے والے یہ ارکان پارلیمنٹ آخر کون ہیں؟ کیا یہ ابو بکر و عمر ہیں یا پاکباز و نیکوکار ہیں؟ اللہ کی پناہ! بھلا یہ متقی و پاکباز نفوس ان ارکان پارلیمنٹ سے کیا نسبت رکھتے ہیں۔ یہ تو کائنات کے گھٹیا اور جاہل ترین افراد ہیں، جو فسق و فجور میں لت پت ہیں۔ ان میں سے بظاہر قدرے بہتر وہ لوگ ہیں جو اسلامی جماعتوں کی طرف نسبت رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مصلحین ہیں لیکن

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (البقرہ:۲۱)

"سن لو! یہی لوگ مفسدین ہیں لیکن انہیں شعور نہیں"۔

اے جمہوری اسلام کی دعوت دینے والو! اللہ تعالیٰ ہم سے صرف یہ نہیں چاہتا کہ ہم شراب نوشی سے احتراز کریں، فواحش سے بچیں اور سود سے دور رہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم ان منکرات سے پرہیز کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکاماتِ تحریمی کو اللہ کا حکم سمجھ کر انہیں تسلیم کریں اور برضا و رغبت ان کے سامنے خود کو جھکالیں۔ بصورتِ دیگر میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر کسی ملک میں اسلام کے تمام ظاہری احکامات اس بنیاد پر نافذ کر دیے جائیں کہ پارلیمنٹ نے انہیں منظور کیا ہے اور انہیں محترم قانون کا درجہ دیا ہے نہ کہ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان شرعی احکام کا درجہ بھی باقی دنیاوی قوانین جیسا ہی کہلائے گا۔ کیونکہ شریعت تو لوگوں سے پوچھ کر نافذ نہیں کی جاتی اور جو چیز لوگوں سے پوچھ کر نافذ کی جائے وہ شریعت نہیں ہوتی۔ یہ تو پارلیمنٹ نامی ایک بولنے والے بت اور معبود کی طرف سے نازل کردہ احکام ہیں۔ تباہی اور ہلاکت ہو اس بت کے لیے بھی اور اس کے نافذ کردہ قانون کے لیے بھی۔ اسلامی جمہوریت کے دعوے داروں کو یہاں رک کر جائزہ لینا چاہیے کہ وہ خود کو کن تباہ کن گھاٹیوں میں گرا چکے ہیں؟ اور اپنے اپنے علاقوں کے مسلمانوں کو کس طرح کی پرفتن کفریہ راہوں کی طرف دھکیل کر انہیں گمراہ کرتے اور ان کے جذبات سے کھیلتے ہیں؟ انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ دوراہے پر کھڑے ہیں جہاں حق و باطل کے مابین تطبیق و موافقت اور آمیزش کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک طرف تو واضح اور روشن اسلام ہے جس میں قلب و نظر اور اعضا و جوارح اللہ تعالیٰ کے لیے مطیع ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف دینِ جمہوریت ہے جس میں انسانوں کی حاکمیت اور شیطان کی عبادت ہے۔ لوگوں کی مرضی ہے کہ جس راہ کو پسند کریں سو اختیار کرلیں البتہ قیامت کے دن ہونے والے اس سوال کے جواب کے لیے تیار رہیں:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (یٰس:۶۱۔۶۰)

اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت مت کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے

ثانیاً: ہر مسلمان کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ ایمان کا پہلا اور عظیم ترین رکن، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور اس ایمان میں توحیدِ الوہیت، توحیدِ ربوبیت اور اللہ کے اسماء و صفات پر ایمان لانا شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ قطعی طور پر ایمان رکھے کہ حلال و حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس حق میں کسی کو کسی قسم کے مناقشے اور بحث کا اختیار حاصل نہیں کہ کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی حلال یا حرام قرار دے... یہ اختیار صرف اللہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس:۵۹)

"آپ کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لیے رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے (بعض کو) حرام اور (بعض کو) حلال ٹھہرایا، پوچھو کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ کا یہ حق (حقِ تشریع) کسی غیر اللہ کو دینا کفرِ اکبر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ جو شخص اللہ کے ماسوا کی تشریع (قانون سازی) کو مانتے ہوئے اس کے ٹھہرائے ہوئے حلال و حرام کی پیروی کرے اور اسے حلال اور حرام جانے تو وہ مشرک ہے جس کا فرض مقبول ہے اور نہ نفل... یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے اور توحیدِ خالص کی طرف رجوع کرلے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ حقِ تشریع کسی فرد کو دیا جا رہا ہو یا کسی پارٹی، قبیلے، پارلیمان یا عوام کو۔ اسلام نے اس حقیقت کو انتہائی دوٹوک اور واضح انداز میں ثابت کیا ہے اور اس میں کسی قسم کی تشکیک یا تذبذب کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ یہ تمام کائنات اللہ کی مخلوق و ملکیت ہے اور وہی رب العالمین ہے۔ لہٰذا کسی کو حق نہیں کہ اس کی ملکیت میں اپنا حکم چلائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف:۵۴)

سن لو کہ تمام مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کے ساتھ خالص ہے'
اللہ رب العالمین بہت برکت والا ہے۔

یہ تو دین اسلام کی ایک مسلمہ حقیقت ہے جب کہ اس کے مقابلے میں جمہوریت کی بنیادی اساس ہی اسلام سے متصادم ہے، کیونکہ جمہوریت میں قانون سازی کا حق اللہ تعالیٰ کی بجائے انتہائی احترام و تقدیس کے ساتھ عوام اور عوامی نمائندگان کو سونپ دیا گیا ہے۔ لہٰذا دینِ جمہوریت میں حلال وہی ہے جسے عوامی نمائندگان حلال قرار دیں اور حرام وہی ہے جسے عوامی نمائندگان حرام ٹھہرائیں۔ اچھا وہ ہے جسے یہ اچھا کہیں اور برا وہ ہے جسے یہ برا کہیں۔ قانون وہی ہو گا جسے یہ پسند کریں اور شریعت وہی کہلائے گی جو اِن کی منظور کردہ ہو۔ کسی دین، شریعت یا قانون کی اس وقت تک کوئی حیثیت نہ ہو گی جب تک پارلیمنٹ اس کی توثیق نہ کرے۔ یہ ایسا واضح ارتداد ہے جس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔

"جب کوئی انسان کسی ایسے حرام کو حلال ٹھہرائے...یا کسی ایسے حلال کو حرام قرار دے... یا کسی ایسے شرعی امر کو تبدیل کر دے، جن پر اجماع ہو تو وہ بالاتفاقِ فقہا کافر و مرتد قرار پائے گا"۔

لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ پارلیمنٹ کا صحیح اور درست نام مجلس ارباب ہو گا۔ کیونکہ ایسی مجالس سے تشابہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے یہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبہ: ۳۱)

"انہوں نے اپنے علما درویش اور مسیح بن مریم علیہ السلام کو اللہ کے سوا رب بنالیا، حالانکہ انہیں تو اسی بات کا حکم تھا کہ معبود واحد کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے"۔

ہائے عجب! کہ گمراہی اپنے ماننے والوں کو کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔ احبار و رھبان کو اس لیے ارباب من دون اللہ کہا گیا کہ اہلِ کتاب ان کی اتباع کرتے تھے باوجود اس کے کہ وہ اللہ کے حلال کردہ کو حرام اور اللہ کے حرام کردہ کو حلال بتلاتے تھے۔ حالانکہ احبار تو ان کے علما تھے اور رہبان تو ان کے عابد و زاہد لوگ تھے اور وہ یہ سب کچھ اللہ کے نام پر کرتے تھے، دین کا سہارا لے کر احکام شریعت کو بدلتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے پسند کردہ احکام ہیں۔ جب اُن کا حکم یہ ہے تو عصرِ حاضر کے اربابِ پارلیمنٹ جن کی غالب اکثریت سیکولر، بے دین ملحدین اور فاسق و فاجر لوگوں پر مشتمل ہے، ان پر کیا حکم لگے گا؟ وہ علما اور درویش تو دین کی محبت جتلاتے تھے جب کہ یہ لوگ تو صراحت کے ساتھ دین سے دشمنی و بیزاری کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ عمل کے اعتبار سے احبار و رہبان اور ارکانِ پارلیمنٹ کا حال ایک سا ہے۔ وہ بھی اپنی مرضی سے حلال و حرام کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور یہ بھی اپنی خواہشات اور آرا سے ایسا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ دین کا نام استعمال کرتے تھے اور یہ صرف رائے، خواہش، جہل مرکب سے، بلکہ قصداً دین کی مخالفت اور اس سے تصادم کی بنیاد پر قانون سازی کرتے ہیں۔ اگر آپ عقل و شعور رکھتے ہیں تو بھلا بتلایئے کہ کون سا گروہ زیادہ بڑا مجرم اور قابلِ مذمت ہے؟

عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ التوبہ کی تلاوت فرما رہے تھے، یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

"انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنالیا"۔

سیدنا عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں میں نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ان کو رب تو نہیں بنایا تھا"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیوں نہیں؟... کیا جب وہ کسی حرام چیز کو تمہارے لیے حلال قرار دیتے تو تم اسے حلال نہ جانتے تھے؟ اور جب وہ اللہ کی حلال کردہ کسی چیز کو تمہارے لیے حرام ٹھہراتے تو تم اسے حرام نہ سمجھتے تھے"؟ میں نے کہا: "جی ہاں"... تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہی تو ان کی عبادت ہے"۔

اور ممکن ہے کہ وہ علما اور درویش خود کو حلال و حرام کا فیصلہ کرنے والا نہ سمجھتے ہوں البتہ چند چیزوں میں عملاً انہوں نے ایسا کیا ہو۔ لیکن آج کل اہلیانِ پارلیمان تو پوری صراحت و جرأت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں ہر قسم کی قانون سازی کا حق حاصل ہے۔ بلکہ یہ ان کی اولین ذمہ داری ہے۔ جب کوئی شخص منتخب ہو کر ایوان میں داخل ہو گیا تو گویا اسے ربّ کی صفات حاصل ہو گئیں، اس کی رائے مقدّم ٹھہری، فکر کو تقدّس حاصل ہوا۔ اب اسے مکمل آزادی اور تحفظ حاصل ہے کہ اپنی خواہش اور رائے کے مطابق فیصلہ دے اور اپنی مرضی سے کوئی قانون تجویز کرے۔ جب تک وہ پارلیمنٹ کی چھت تلے موجود ہے تب تک اس کا محاسبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ واضح کفر اور صریح شرک ہے، خواہ وہ عملاً کوئی قانون سازی کرے یا نہ کرے۔ جس طرح عملاً خود ساختہ قانون سازی کرنا شرک ہے، اسی طرح اس کا حق اللہ کے سوا کسی دوسرے کو دینا بھی شرک ہے۔ یہ ربوبیت میں شرک کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ: ۲۱)

"کیا ان کے کوئی شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا"۔

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الانعام:۱۲۱)

"اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کرلیں، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے"

اے اسلامی جمہوریت کی دعوت دینے والو! تمہیں کس نے اس باطل کی طرف دعوت دینے کا حق دیا ہے؟ جس چیز کی دعوت تم دیتے ہو وہ دینِ اسلام کے ساتھ کیوں کر مجتمع ہو سکتی ہے؟ دینِ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ رب العزت حرام ٹھہرائے نہ کہ پارلیمان۔ اور دین وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا نہ کہ پارلیمان نے۔ اور سزا کا حقدار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ورزی کرے نہ کہ وہ جو پارلیمان کی حکم عدولی کرے۔ حقیقتاً آپ لوگ یہ دعویٰ تو رکھتے ہیں کہ آپ کی دعوت اسلام کی دعوت ہے اور آپ کا راستہ سیدھا... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ مگر پھر آپ اپنے اس دعوے کو ملیامیٹ کرتے ہوئے لوگوں کو جمہوریت کی طرف بلاتے اور پارلیمنٹ کی طرف لے جاتے ہیں اور پارلیمنٹ کی بالادستی اور تقدس کے گن گا کر لوگوں کے دلوں میں اس جدید بت کی محبت اور عقیدت راسخ کرتے ہیں۔ آپ کی مثال تو اس عورت کی طرح ہے جو سوت کاتنے کے بعد خود ہی اسے ریزہ ریزہ کر دے۔

آپ ایک طرف توحید کی دعوت دیتے ہیں جب کہ دوسری جانب اسی توحید کو منہدم کر رہے ہیں؟ رحمٰن کی شریعت کو نافذ کرنے کی یہ کیسی جدوجہد ہے کہ جس میں عملی طور پر شیطان کی شریعت کو بالادست اور مقدس بنانے کے لیے کوشش کی جاتی ہو؟ پارلیمنٹ کے خود ساختہ قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے اولین خدمت گارانِ جمہوریت بھلا کیوں کر لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں؟ عصر حاضر کے صنم اکبر کو تعمیر کر کے اور اپنی جماعتوں کے افراد کو اس جمہوری بت کدے میں بٹھا کر آپ اپنے اسلاف کی مانند بت شکنی کس طرح کر سکتے ہیں؟ اور کس طرح آپ دعوت الی القرآن کا دعویٰ کرتے ہیں جو طاغوت سے کفر اور ایک اللہ پر ایمان کا حکم دیتا ہے جب کہ، آپ اسی طاغوت پر ایمان لانے اور اس کے علمبرداروں کی تعظیم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:۳-۲)

"اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کرتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے؟ کتنا ناپسندیدہ ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم عمل نہیں کرتے"

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ (البقرۃ: ۴۴)

"بھلا تم لوگوں کو تو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، سو تم عقل کیوں نہیں کرتے"۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُواْ عِبَاداً لِّي مِن دُونِ اللّهِ وَلَـكِن كُونُواْ رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ○ وَلاَ يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُواْ الْمَلاَئِكَةَ وَالنِّبِيِّيْنَ أَرْبَاباً أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ (آل عمران: ۷۹-۸۰)

"کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ یہ کہ تم ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ اور اس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنالو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اُسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے"۔

اس سارے معاملے کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں، اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی تلبیس اور دھوکہ دہی کی کوئی گنجائش ہے۔ اگر جمہوریت جیسی فضول چیزوں کے ذریعے اور فقط نعرے لگانے سے اسلام کا قیام ممکن ہوتا تو پھر انبیاء و رسل علیہم السلام کو اپنی جان جوکھوں میں نہ ڈالنی پڑتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ (الانعام: ۳۴)

"اور تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے، تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آپہنچی، اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں اور تم کو پیغمبروں کی خبریں پہنچ چکی ہیں"۔

ہمارے رب کی کتاب حکیم تو ہمیں یہ کہتی ہے کہ:

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الانعام:۱۲۱)

"اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور شیاطین اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے"۔

اس کے برعکس جمہوریت کا مطالبہ ہے کہ پارلیمنٹ سے منظور شدہ قوانین کی بالادستی قبول کرو، ان کی اطاعت کرو اور انہیں مقدس و محترم جانو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم پر کوئی ملامت یا مواخذہ نہیں بلکہ یہی عین مصلحت ہو گی۔ گویا پارلیمنٹ کی کامل اطاعت کریں گے تو دین جمہوریت کے مطابق آپ موحدین میں شمار ہو جائیں گے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ بعض کفار نے مسلمانوں سے بحث کرتے ہوئے یہ شبہ پیش کیا کہ تمہارا زعم ہے کہ تم اللہ کی رضا جوئی چاہتے ہو حالانکہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ ذبح کر دے (یعنی خود مر جائے) اسے نہیں کھاتے اور جسے تم خود ذبح کرتے ہو اسے کھاتے ہو؟ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ

"اگر تم نے ان کی اطاعت کی (یعنی مردار کھایا) تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے"۔

یہ تو ایک مشتبہ قسم کی بات تھی جو شیاطین نے اپنے دوستوں کو سمجھائی اور ان مشرکین نے پیش کی، اور اس بات کا تعلق بھی فقط ایک مسئلے یعنی مردار کی حِلّت سے تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی اس معاملے کو معمولی خیال کرے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر تم نے ان کا کہا مانا اور مردار کو حلال سمجھنے میں ان کی پیروی کی تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔ تو پھر آخر ان اسمبلیوں کی پیروی کرنے والے کو کیا کہا جائے گا جن کا قیام ہی حلال و حرام کا فیصلہ کرنے اور خود ساختہ قانون سازی کرنے کے لیے عمل میں آیا ہے۔ یہ اسمبلیاں اپنے ہی بنائے ہوئے دستور کے سوا کسی بات کی پابند نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو جاہل و سادہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ہی سہی...اپنے بنائے ہوئے قوانین اور حلال و حرام کے فیصلوں کا شریعت سے ناتا جوڑنے کی زحمت تک نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں شریعت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اپنی خواہشات کو قوم کی مصلحت کے نام دیتے ہیں اور پھر اس کے مطابق قانون سازی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اقتصادی مصلحت کے نام پر سود کو حلال کرتے ہیں، شخصی آزادی کے نام پر زنا و فواحش کے اجازت نامے جاری کرتے ہیں اور سیاحت و ترقی کے نام پر شراب و کباب کو مباح گردانتے ہیں۔

مثال کے طور پر یہ ایک معلوم شدہ امر ہے کے دینِ اسلام میں شراب قطعاً حرام ہے، لیکن اگر کوئی احمق رکنِ پارلیمان یہ قرارداد پیش کرتا ہے کہ ایک دو سال یا پھر ہمیشہ کے لیے شراب کی خرید و فروخت سے پابندی اٹھائی جائے تاکہ ملک میں اقتصادی ترقی ہو اور سیاحوں کے لیے کشش و سہولت پیدا ہو تو اس احمق پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ اس "عظیم اقتصادی بل" کو اپنے نفاذ کے لیے صرف اکثریت درکار ہو گی۔ اور اگر پارلیمنٹ کی اکثریت اس کی توثیق کر دے تو پھر شراب کی خرید و فروخت مباح ہو گی اور کسی کو یہ حق نہ ہو گا کہ اس کا انکار کرے بلکہ جو اس کی مخالفت کرے گا اس پر فردِ جرم عائد ہو گی اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

ارکانِ پارلیمنٹ میں سے اگر کوئی ہم جنس پرستی کا دلدادہ ہے اور اسے قانونی جواز مہیا کر کے اپنے اور اپنے جیسے دوسرے بدمعاشوں کو سہولت دینا چاہتا ہے تو اسے بھی بل پیش کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح سودی لین دین کرنے والی بڑی کاروباری مچھلیاں اپنی پسند کی سودی اصلاحات کے نفاذ کے لیے قانون سازی کروا سکتی ہیں، شراب و کباب کے رسیا بھی اسمبلی سے ریلیف حاصل کرنے کے لیے بل پیش کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہیجڑے بھی اپنی تنظیمیں بنا کر ہیجڑا سازی کے کاروبار کو قانونی جواز عطا کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ صرف ایک ہی شرط ہے کہ وہ دستور کے مخالف نہ ہو، جب کہ اسلام کے مخالف ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے بعد اگر پارلیمنٹ کی اکثریت چاہے تو ان تمام قراردادوں اور مطالبات کو منظور کر کے انہیں جواز مہیا کر سکتی ہے اور اس کے بعد تمام لوگوں پر انہیں تسلیم کرنا اور ان کا احترام کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وہ قانون جو پارلیمنٹ سے منظور ہو جائے... اگرچہ کہ وہ شریعت سے کلی طور پر متصادم ہی کیوں نہ ہو... دینِ جمہوریت میں اسے ہر طرح کا تحفّظ اور تقدّس حاصل ہو گا کیونکہ پارلیمنٹ کی بالادستی اِس کے نزدیک ہر قسم کی حاکمیت سے بالاتر ہے۔

ثالثاً: دینِ اسلام میں کسی چیز پر یہ حکم لگانا کہ یہ حق ہے یا باطل، جائز ہے یا ناجائز، حرام ہے یا حلال... اُس دلیلِ شرعی کی بنیاد پر ہوتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے، جب کہ اجماع و قیاس بھی اسی کے تابع اور اسی سے مستنبط ہوتے ہیں۔ ایسے احکام کا ثبوت محض عقل، ذوق، رغبت، صلاحیت یا تجربہ پر مبنی نہیں ہوتا۔ حق تو وہ ہے جو خالص اور پاکیزہ آسمانی احکام پر مبنی ہو۔ یہ کسی گروہ یا جماعت کی ملکیت نہیں خواہ وہ کیسے ہی اوصاف کے حامل کیوں نہ ہوں، چاہے وہ سیاست سے متعلق ہوں، چاہے اکثریت کے حامل ہوں، چاہے عربی ہوں اور چاہے عجمی۔ وہ صرف اس وجہ سے حق ہے کہ شریعت نے اسے حق کہا ہے۔ اور جو باطل ہے وہ اس لیے باطل ہے کہ شریعت اسے باطل قرار دیتی ہے۔ اگر آسمانوں اور زمینوں کے تمام لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ شریعت سے ثابت شدہ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ حق، حق ہی رہے گا اور باطل، باطل ہی کہلائے گا۔ ہدایت کو ہدایت ہی کہا جائے گا اور گمراہی، گمراہی ہی قرار پائے گی۔ جب کہ لوگوں کی قیاس آرائیوں اور اٹکل کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ بات اسلام سے ثابت ہے اور یہ عقیدہ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اس کے برعکس دینِ جمہوریت میں کسی چیز کے صحیح یا باطل ہونے پر اور اس کے حسن و قبح پر حکم لگانا پارلیمنٹ کی غالب اکثریت کا حق ہے۔

☆☆☆☆☆

ووٹ کی شرعی حیثیت.... تصویر کا حقیقی رُخ!

غور و فکر کے نئے زاویے

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شمس الہدیٰ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

ووٹ جمہوری نظام کا اساسی جز اور بنیادی رکن ہے، ووٹ جمہوریت کی تشکیل میں کلیدی عنصر ہے، جمہوری نظام اپنے تمام کل پرزوں کے ساتھ انسانوں کا بنایا ہوا خود ساختہ نظام ہے، نہ کہ اللہ کا نازل کردہ نظام، اس نظام کے کسی جزء کو اپنے دوسرے اجزا سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا، اگر کسی عالم سے لغزش ہوئی ہو تو یقیناً وہ اجتہادی خطا کی وجہ سے عنداللہ ماجور ہے، مگر حق واضح ہونے کے بعد اس غلطی پر اصرار انتہائی خطرناک اور موجب غضب الٰہی ہے،(زلة العالِم زلة العالَم)

آیئے! اب جائزہ لیتے ہیں کہ ووٹ کیا ہے؟

۱۔ کہا جاتا ہے کہ ووٹ شہادت ہے ۔ شہادت کی شرعی تعریف فقہانے لکھی ہے ''الشهادة اخبار صادق فی مجلس الحكم بلفظ الشهادة''(حاشیۃ ھدایۃ جلد ۳ للعلامۃ اللکھنویؒ) تو شہادت کے لیے درج ذیل چیزیں ضروری ہیں۔

(الف) خبر دینا

(ب) مجلس حکم کا ہونا

(ج) مشہود بہ کا مشاہد اور معین ہونا

(د) لفظ شہادت کا ہونا

جب کہ ووٹ میں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جاتی، ووٹ کسی شخص کے لکھے ہوئے نام کے سامنے بنے ہوئے کسی نشان پر تنہائی میں ٹھپہ لگانے کو کہتے ہیں، تا کہ وہ شخص کسی فورم یا ادارے کا رکن یا سربراہ بن جائے، اور اس کے اندر حکمران بننے یا بنانے کی اہلیت و ولایت پیدا ہو جائے، تو یہ انشاء ہوا نہ کہ اخبار، لہٰذا اس میں نہ تو اخبار ہے نہ مجلس حکم، نہ مشاہدہ و معاینہ، نہ لفظ شہادت، نہ اس شہادت پر مترتب ہونے والی قضائے قاضی۔ یہ تو بات ہوئی ارکان شہادت کی اور 'رُکن کے انتفاء سے اصل شی کا منتفی ہونا' اہل علم کے ہاں مسلم ہے۔ رہیں شہادت کی شروط، تو وہ بھی یہاں نہیں پائی جاتیں، نہ عدد کی حد ہے نہ عدالت کی، مرد عورت، آزاد غلام، فاسق فاجر، چور بدعنوان، زانی ڈاکو، قاتل اور صالح، بلکہ مسلم و کافر حتی کہ عقلمند اور پاگل و بے وقوف سب برابر ہیں۔ خاص طور پر علماء کی توجہ کیلیے عرض کرونگا کہ ووٹ کو شہادت قرار دینا بداہۃً غلط ہے اس لیے کہ شہادت دلالت لفظیہ کے قبیلے سے ہے اور ووٹ دلالت غیر لفظیہ ہے ''والشئ لایحتمل ضده'' کا قانون مُسلّم بین العقلاء ہے۔

۲۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ووٹ سفارش ہے، حالانکہ یہ سفارش بھی نہیں کیونکہ

الف: سفارش کا مطلب تو یہ ہے کہ ووٹر اپنے پسندیدہ امیدوار کو رکن بنانے کی کسی اتھارٹی کو سفارش کرے اور یہاں تو وہ کسی کو سفارش نہیں کر رہا بلکہ اپنا حکم اور فیصلہ صادر کر رہا ہے، کہ میں نے اس شخص کو اپنا نمائندہ اور رکن اسمبلی بنادیا ہے۔

ب: اگر کسی اتھارٹی کو سفارش ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ اتھارٹی اور حکومت تو ابھی وجود میں ہی نہیں آئی، بلکہ خود اس کا وجود اس رکن کے ووٹ پر موقوف ہے، یہ بھی عقلاً باطل ہے، کیونکہ دور اور ''توقف الشئ علی نفسه'' کو مستلزم ہے۔

۳۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ووٹ مشورہ ہے، درحقیقت یہ مشورہ بھی نہیں، جس کو دیا جا رہا ہے وہ خود ابھی وجود میں نہیں آیا علاوہ ازیں مشورہ کا ماننا لازم نہیں ہوتا لیکن یہاں ایسا نہیں، نیز یہاں مشورہ نہیں بلکہ تعیین اور تقرر ہے۔

۴۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ووٹ امانت شرعیہ ہے، مگر یہ بھی ڈھکوسلہ ہے اور حقیقت میں ووٹ امانت بھی نہیں، کہ جب جمہوری نظام ہی خود ساختہ اور غیر شرعی ہے کیونکہ ووٹ کے ذریعہ جمہور یعنی عوام کی حاکمیت قائم ہوتی ہے جو کہ جمہوریت کا مقصد اصلی اور بنیادی منشا ہے جیسا کہ جمہوریت کی تعریف سے واضح ہے جبکہ اسلام غیر اللہ کی حاکمیت کو شرک قرار دیتا ہے۔ تو ووٹ امانت شرعیہ کیسے ہوئی؟ عوام کا حکمرانوں کو اپنے ہاتھوں سے تراش کر ان کی اطاعت کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ بت پرستوں کا اپنے ہاتھوں سے بت تراش کر ان کی عبادت اور اطاعت کرنا۔ اسی لیے تو جمہوری نظام میں حکمران کی کوئی وقعت اور وقار نہیں ہوتا۔ ہر طرف سے دباؤ اور بلیک میلنگ کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ جمہوریت حکمران کو در در کا بھکاری بنا دیتی ہے کہ وہ ذلیل و رسوا ہو کر ہر ایرے غیرے سے ووٹوں کی بھیک مانگتا رہتا ہے۔ اسی لیے جمہوری حکمران بظاہر جتنا بھی کروفر میں نظر آئے درحقیقت اس کی کوئی عزت و حرمت نہیں ہوتی۔

۵۔ کہا جاتا ہے کہ ووٹ وکالت ہے یہ بھی غلط ہے

(الف) عقود خلوت میں یکطرفہ طور پر اکیلے منعقد نہیں ہوتے شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں

(ب) جب ووٹ گنے جاتے ہیں تو پتہ نہیں چلتا کہ کونسا ووٹ کس کا ہے لہذا جب وکیل صاحب کو مؤکل کا علم ہی نہ ہو تو انعقاد وکالت کیسے؟ شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں

(ج) اگر وکالت ہے تو ہارنے والا بھی وکیل بننا چاہئے۔ شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں کہ مؤکل وکیل کا تقرر کرے اور وہ وکالت کی تمام شرعی شرائط پر پورا اترے پھر بھی وکیل نہ بن سکے

(د) اگر وکالت ہے تو شریعت میں مؤکل جب چاہے وکیل کو معزول کر سکتا ہے یہاں کیوں نہیں؟

(ہ) جب نمائندہ اپنے فورم سے استعفی دے کر پھر واپس لے لیتا ہے تو وہ اپنی سیٹ پر برقرار رہتا ہے حالانکہ شریعت میں جب وکیل وکالت سے دستبردار ہو جاتا ہے تو پھر خود سے وہ دوبارہ وکیل نہیں بن سکتا جب تک مؤکل نہ بنائے۔

(و) شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں کہ کچھ افراد ایک شخص کو وکیل بنائیں اور دوسرے کسی اور کو اور پھر کچھ افراد کا منتخب کردہ اُنکا بھی وکیل بن جائے جنھوں نے اس کو نہیں بنایا۔

(ز) بلا مقابلہ انتخاب کی صورت میں تو کسی نے کسی کو نہ وکیل بنایا، نہ مشورہ دیا، نہ شہادت، نہ امانت کی صورت بنی، شرعا اس کی کیا حیثیت ہو گی؟

منحوس جمہوری نظام حکومت گناہوں کا مجموعہ

اب آیئے ان گناہوں کی مختصر فہرست کی طرف جن کا یہ شیطانی نظام (جمہوریت) مجموعہ ہے، بلکہ ان میں کئی گناہ تو باعث کفر ہیں۔

۱۔ حکومت الٰہیہ اور نظام خلافت کے مقابلے میں جمہور کی حکومت قائم کرنا

۲۔ قانون سازی کا اور ترمیم کا اختیار حکومت و پارلیمان کو دینا

۳۔ غیر مسلم کفار کو ارکان اسمبلی و حکومت بنانا

۴۔ عورتوں کو ارکان اسمبلی و سربراہ حکومت بنانا

۵۔ فیصلے اکثریت کی بنیاد پر کرنا

۶۔ حکمرانوں کا خدا کی جگہ عوام کے سامنے جوابدہ ہونے کا اعتقاد

۷۔ اظہار رائے کے نام سے بے لگام آزادی، جو کہ مفضی الی الارتداد ہے

۸۔ پارلیمنٹ کو سپریم سمجھنا

۹۔ عوام کو قوت کا سرچشمہ سمجھنا

۱۰۔ عوام کو تنظیم سازی اور پارٹیاں بنانے کا حق دینا

۱۱۔ شریعت اور قرآن وسنت پر آئین کی بالادستی اور آئین کو قرآن، سنت سے زیادہ اہمیت دینا (اس کے علاوہ بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں)

انتخابات اور ووٹوں کے موقع پر ہونے والے گناہ:

۱۔ برادریوں، پارٹیوں اور قومیتوں کے تعصب میں مبتلا ہونا

۲۔ بسا اوقات جھوٹی قسمیں اور گواہیاں دینا

۳۔ وعدہ خلافی کرنا

۴۔ بلند وبانگ دعوے اور جھوٹے وعدے کرنا

۵۔ مسلمانوں کو منافق اور ذوالوجہین بنانا

۶۔ بے تحاشا جھوٹ بولنا

۷۔ ووٹ کی خاطر حق بات کہنے سے گریز کرنا یا ہاں میں ہاں ملانا

۸۔ ایک دوسرے کی غیبت کرنا

۹۔ سب وشتم اور گالم گلوچ کرنا

۱۰۔ بہتان تراشی و الزامات کی بوچھاڑ

۱۱۔ ایک دوسرے کے عیوب کی پردہ دری کرنا

۱۲۔ رشوت دے کر ووٹ خریدنا

۱۳۔ اسراف و تبذیر اور مسلمانوں کے قیمتی مال کا ضیاع

۱۴۔ حب جاہ کا پیدا ہونا

۱۵۔ حب دنیا کا پیدا ہونا

۱۶۔ امت مسلمہ کے معاملات و مصائب سے لاتعلقی اختیار کرنا

۱۷۔ مسلمانوں کو ڈرانا دھمکانا

۱۸۔ معاہدہ توڑنا

۱۹۔ تکبر خصوصاً جو جیت جائے اسکا تکبر قابل دید ہوتا ہے

۲۰۔ دشمنی و قتل اور خونریزی تک کا ارتکاب

۲۱۔ تصویر اور فوٹو کھنچوانا

۲۲۔ قیمتی وقت ان جمہوری تماشوں میں ضائع کرنا

۲۳۔ مسلمانوں کے املاک کو نقصان پہنچانا

۲۴۔ گانا بجانا اور میوزک کا استعمال

۲۵۔ اپنے اپنے امیدوار کی اس کے منہ پر تعریف کرنا

۲۶۔ جعلسازی، دھوکہ، فریب اور دھاندلی کرنا

۲۷۔ قومی وسائل کا بے دریغ استعمال

۲۸۔ کفر، ظلم اور گناہ پر معاونت اور مدد کرنا

۲۹۔ نااہلوں کو نمائندگی اور حکمرانی دینا

۳۰۔ خوشامد اور چاپلوسی کرنا

۳۱۔ مسلمانوں کو ایذا دینا مثلاً راستے بند کرنا، تیز آواز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا

۳۲۔ اپنے مسلمان بھائی کی رسوائی، شکست اور تکلیف پر اظہار شماتت اور خوشی

۳۳۔ مسلمانوں کا مختلف تنظیموں اور پارٹیوں میں بٹنا اور امت واحدہ کے تصور کی بیخ کنی ہونا۔

۳۴۔ عورتوں کی بے پردگی اور بلاضرورت (الیکشن مہم اور ووٹ کی خاطر) گھروں سے نکلنا

۳۵۔ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کی تذلیل کرنا استہزاء سخریہ اور ہنسی مذاق اڑانا یعنی اکرام مسلم کے تصور کی نفی۔

۳۶۔ مسلمان کا مسلمان کے مقابلہ میں حریف بن جانا حتیٰ کہ علما بھی، حالانکہ مسلمان کا حریف اللہ تعالیٰ نے کافر و منافق کو بنایا ہے نہ کہ مسلمان کو، بلکہ مسلمان تو مسلمان کا حلیف ہوتا ہے

شیطانی نظام جمہوریت اور جمہوری انتخابات کی وجہ سے مسلمان ان عظیم گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں ان میں سے ایک گناہ ہی اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کو دعوت دینے کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ ان تمام نافرمانیوں کا کھلم کھلا ارتکاب۔ کیوں نہ اس لعنتی نظام جمہوریت سے چھٹکارا حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر کو دعوت دینے والے ان خطرناک گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: جمہوریت اس دور کا صنم اکبر

الغرض اس شخصیت کی طرف سے اپنی نمائش کا کوئی سامان نہ ہو اور عوام کو بے وقوف بنانے کا اس کے پاس کوئی حربہ نہ ہو۔ قوم نے اس کو صرف اور صرف اس بنا پر منتخب کیا ہو کہ یہ اپنے علاقے کا لائق ترین آدمی ہے، اگر ایسا انتخاب ہوا کرتا تو بلاشبہ یہ عوامی انتخاب ہوتا اور اس شخص کو قوم کا منتخب نمائندہ کہنا صحیح ہوتا، لیکن عملاً جو جمہوریت ہمارے یہاں رائج ہے، یہ عوام کے نام پر عوام کو دھوکا دینے کا ایک کھیل ہے اور بس...!

کہا جاتا ہے کہ: جمہوریت میں عوام کی اکثریت کو اپنے نمائندوں کے ذریعہ حکومت کرنے کا حق دیا جاتا ہے یہ بھی محض ایک پُرفریب نعرہ ہے، ورنہ عملی طور پر یہ ہو رہا ہے کہ جمہوریت کے غلط فارمولے کے ذریعہ ایک محدود سی اقلیت، اکثریت کی گردنوں پر مسلط ہو جاتی ہے! مثلاً: فرض کر لیجئے کہ ایک حلقۂ انتخاب میں ووٹوں کی کل تعداد پونے دو لاکھ ہے، پندرہ اُمیدوار ہیں، ان میں سے ایک شخص تیس ہزار ووٹ حاصل کر لیتا ہے، جن کا تناسب دُوسرے اُمیدواروں کو حاصل ہونے والے ووٹوں سے زیادہ ہے، حالانکہ اس نے صرف سولہ فیصد حاصل کیے ہیں، اس طرح سولہ فیصد کے نمائندے کو ۸۴ فیصد پر حکومت کا حق حاصل ہوا۔ فرمایئے! یہ جمہوریت کے نام پر ایک محدود اقلیت کو غالب اکثریت کی گردنوں پر مسلط کرنے کی سازش نہیں تو اور کیا ہے...؟ چنانچہ اس وقت مرکز میں جو حکومت کوس لمن الملک بجا رہی ہے، اس کو ملک کی مجموعی آبادی کے تناسب سے ۳۳ فیصد کی حمایت بھی حاصل نہیں، لیکن جمہوریت کے تماشے سے نہ صرف وہ جمہوریت کی پاسبان کہلاتی ہے بلکہ اس نے ایک عورت کو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے۔

الغرض! جمہوریت کے عنوان سے عوام کی حکومت، عوام کے لیے کا دعویٰ محض ایک فریب ہے، اور اسلام کے ساتھ اس کی پیوندکاری فریب در فریب ہے، اسلام کا جدید جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں، نہ جمہوریت کو اسلام سے کوئی واسطہ ہے، ضدان لا یجتمعان (یہ دو متضاد جنسیں ہیں جو اکٹھی نہیں ہو سکتیں)

☆☆☆☆☆

"اللہ تعالیٰ، پہلے انبیاء کرام علیہم السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علمائے امت اور مشاہدات کا قطعی فیصلہ ہے کہ، کفر و شرک اور جرائم سے معاشرہ کو پاک کرنے اور دنیا میں اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے صرف زبانی تبلیغ کافی نہیں، جب تک قتال کے ذریعہ کفار کی بڑی بڑی حکومتوں کی شان و شوکت نہ توڑی جائے۔ اس وقت تک نہ عام کفار اسلام کی حقانیت پر سنجیدگی سے غور کر سکتے ہیں اور نہ مسلمان معاشرہ ان کفار کے تسلط، سائنسی ترقی اور مکروہ پروپیگنڈوں اور سازشوں سے پھیلائے ہوئے فواحش و منکرات سے پاک ہو سکتا ہے"۔

فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

خلافت یا جمہوریت

مولانا محبوب الحسن بخاری

جمہوریت: اقدار اور مقاصد:

جمہوریت (Republic) دراصل سرمایہ داری کی اقدار کو نافذ کرنے کا نظام اقتدار ہے، سرمایہ دارانہ نظام میں جس قدر کا فروغ ہوتا ہے وہ برابر کی آزادی ہے لہٰذا جمہوریت (Republic) کو بطور آلہ کار اور ذریعہ استعمال کر کے سرمایہ دارانہ اقدار کا فروغ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جمہوریت (Republic) کو اس سے منسلک ایمانیات سے ہٹا کر دیکھنا لا علمی ہے، جمہوریت میں انہی اقدار کا فروغ ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے جس کے لیے اس کو بنایا اور قائم کیا گیا ہے۔جمہوریت کا انگریزی ترجمہ میں نے Republic کیا ہے نہ کہ Democracy اس کی بنیادی وجہ یہ ہے ڈیموکریسی Republic کی فرع ہے اور وہ اس کی اصل ہے فرع میں اصل شامل ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ وہ اصل ہی کی فرع ہوتی ہے۔ Republic دراصل وہ نظام اقتدار ہے جس میں فیصلے انسان اپنی مرضی سے، کرتا ہے نہ کہ اپنے سوا کسی اور کی مرضی سے یعنی ریاست کیا نافذ کرے گی اور کس کو فروغ دے گی اس بات کا فیصلہ انسان خود کرے گا نہ کہ خدا، نہ رسم ورواج اور مذہب۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان خود کیسے درست فیصلہ کرے گا؟۔ انسان اپنے فیصلے اپنی عقل کے ذریعے سے پرکھے گا کہ یہ فیصلہ عقل کے معیار پر درست ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ Rebublic میں انسان خود اپنی مرضی سے عقل کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور اس عقل کے معیار پر پورا اترنے والی قدر اور حق آزادی ہے۔ لہٰذا ریاست کا کام صرف آزادی کا فروغ ہے۔ ری پبلک کا تصور ہمیں سب سے پہلے افلاطون، ارسطو، ہابس، میکاولی، لاک، روسو وغیرہ اور اس کے بعد آنے والے تمام مفکرین میں ملتا ہے جو اس طرز کی ریاست کو وجہ جواز فراہم کرتے ہیں اور اسی طرز کی ریاست کو حق جانتے ہیں۔

اب اس طرز ریاست اور نظام اقتدار میں مختلف نظام حکومت قائم کیے جاسکتے ہیں جن میں اشرافیہ، جمہوریت اور بادشاہت وغیرہ ہوسکتے ہیں۔ افلاطون بنیادی طور پر ری پبلک کا حامی تھا لیکن جمہوریت کے خلاف تھا اس کا خیال تھا کہ تمام انسان عقل کے ذریعے حق نہیں جان سکتے لہٰذا نظام حکومت میں تمام لوگ نہیں بلکہ چند یا ایک فلسفی کنگ حکومت کرے گا۔ (ری پبلک۔ افلاطون) اسی طرح ارسطو بھی ری پبلک کا زبردست حامی اور داعی تھا لیکن جمہوریت کو اس نے بھی سخت ناپسند کیا۔ پورے یونان میں عقل کا تو چرچا تھا لیکن برابری کا کوئی تصور نہ تھا شہری سے صرف مشاورت کی جاسکتی تھی اور شہری صرف اور صرف آزاد مرد تھے ان میں عورتیں اور غلام شامل نہ تھے۔ مغرب میں برابری کا تصور رومی لے کر آئے اور بتایا کہ سب لوگ عاقل ہیں اور اس میں سب برابر ہیں عورتیں اور غلام بھی۔ (Encyclopedia of Britanica)

جمہوریت وہ نظام حکومت ہے جو اصولی طور پر Republic کو خاص انداز میں قائم کرتی ہے جس میں فیصلے تو لوگوں کی ہی مرضی کے مطابق ہوں گے لیکن ایک خاص انداز میں اور وہ خاص انداز یہ ہے کہ لوگ اپنے نمائندے منتخب کر کے ایوان زیریں میں بھیجیں گے جو لوگوں کی خواہشات اور آرزوؤں کے مطابق قانون سازی یعنی قانون بنائیں گے اور یہ قانون صرف اور صرف لوگوں کی خواہشات نفسانی کا تحفظ کریں گے اور اگر منتخب نمائندگان اس طرح کی قانون سازی میں ناکام رہے تو لوگوں (عوام الناس) کو اس بات کا پورا حق ہوگا کہ وہ ان منتخب نمائندگان کو مسترد کر کے نئے نمائندگان منتخب کر کے اپنی خواہشات کا تحفظ کریں۔ (لاک)

ری پبلک اور سرمایہ داری میں چولی دامن کا ساتھ ہے ری پبلک ہی وہ ادارہ ہے جس کے ذریعے سے سرمایہ داری اپنے اہداف حاصل کرتی ہے اور جمہوریت تو محض اس کی ایک خاص (Form) شکل ہے۔ لہٰذا جمہوریت چاہے براہ راست (Direct) ہو یا دستوری (Constitutional) اپنی اصل میں ری پبلک کی فرع ہے اور ری پبلک دراصل سرمایہ داری کے فروغ کا ذریعہ اور آلہ کار ہے اور سرمایہ داری دراصل اس بات کا اقرار ہے کہ انسان زمان و مکان سے آزاد قائم بالذات حقیقت ہے جو اپنا خالق خود ہے، خیر وشر کے تعین کے لیے اسے اپنے علاوہ کسی پر تکیہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

انسان بحیثیت آزاد قائم بالذات ہونے کے ناطے سے تین حقوق رکھتا ہے:

(۱) زندگی (۲) آزادی (۳) ملکیت

یہ تینوں بنیادی اور فطری انسانی حقوق ہیں اور انہی حقوق کی فراہمی سے انسان اپنی ذات کی تکمیل اور زندگی کے معانی کی کھوج لگا سکتا ہے۔ ان بنیادی حقوق سے آپ اسی وقت کماحقہ استفادہ حاصل کرسکتے ہیں جب آپ انھیں اپنی لذات کے حصول اور انھیں بڑھانے اور ان میں تنوع پیدا کرنے کے لیے استعمال کریں اور اگر آپ ان حقوق کو خواہشات اور لذات کے ماسوا استعمال کریں گے تو یہ انسانیت کی معراج کے لیے ناکافی ہیں اور تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا (بینتھم)۔

حقوق دراصل خاص فرائض کی ادائیگی کا وسیلہ ہیں لہٰذا اگر ان بنیادی انسانی حقوق کو آپ کسی اور مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہیں مثلاً اپنی زندگی کو خدا کے نام اس طرح کر دیں کہ اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے زندگی گزارنا ضروری ہو جائے یا آپ صرف اور صرف خدا کی حمد وثناء اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کے لیے آزادی اظہار کا حق نہ

دیں یا آپ اس بات پر پابندی لگا دیں کہ آپ صرف اور صرف حلال چیزوں کے مالک بن سکتے ہیں اور حرام کے نہیں تو ان خیالات کی سرمایہ داری میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سرمایہ داری دراصل خدا بے زاری اور خدا کا انکار اور کفر ہے اور اسلام سے مختلف نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے اور دو متضاد اشیا کا ایک ساتھ وجود ناممکن اور خلاف عقل ہے لہٰذا سرمایہ داری میں ایسے امکانات تلاش کرنا جس میں کہیں اسلام کو کسی کونے میں سکونت دلا دی جائے ایک مخلص مشورہ اور کوشش تو ہو سکتی ہے لیکن انتہائی غیر معقول اور ناممکن۔ انہی حقوق کا تحفظ بنیادی مقصد ریاست اور انھی حقوق کا تحفظ وہ معیار ہے جس سے لوگ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حکومت اور طرز حکومت بہتر طور پر ہمارے انھیں بنیادی حقوق کا بہتر تحفظ کر رہی ہے کہ نہیں؟ سرمایہ دارانہ نظام میں لوگ اہم ہیں لہٰذا زندگی کی ابتداء سے انتہا تک، صبح سے شام تک ان کی کوششوں کی سمت ہمیشہ اپنے ذاتی حقوق کا تحفظ ہے اور ذاتی حقوق کے تحفظ میں وہ خیر، اچھائی اور نیکی جیسے تمام تصورات کو پس پشت ڈال کر زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معاشرے اور ریاست میں حقوق تصورات خیر سے زیادہ اہم ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے بارے میں زیادہ سوچتا اور فکر کرتا ہے اور خیر کے بارے میں کچھ نہیں یا بہت کم۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ انسان آزاد قائم بالذات ناقابل مواخذہ ہستی ہے جس کے کچھ بنیادی انسانی حقوق ہیں جنہیں انسان صرف لذات کے حصول اور تنوع اور تلذذ کے لیے استعمال کر سکتا ہے اور انہی حقوق کی اس خاص تعبیر کو دستور میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ ہر طرز حکومت اس دستور کے مطابق حکومت کرتی ہے اور اگر سب لوگ مل کر اس تعبیر کے خلاف ہونا چاہیں تو ان کی یہ کوشش غلط ہے کیونکہ انسان تو اسی طرح ہی اچھا انسان بن سکتا ہے اور ہر ریاست ری پبلک کے ذریعے سے سرمایہ دارانہ نظام نافذ کرے گی اور اس ری پبلک کی مختلف اشکال میں سے ایک جمہوریت ہے۔

اب ہم جمہوریت کو بطور نظام حکومت دیکھتے ہیں جیسا کہ ہم نے اس سے قبل کہا کہ جمہوریت ری پبلک کی فرع ہے لہٰذا اپنی اصل کی طرح یہ بھی لوگوں کی حکومت ہے۔ اس میں بھی فیصلے لوگوں کی مرضی اور صرف اور صرف لوگوں کی خواہشات نفسانی کے مطابق ہوتے ہیں اور لوگوں کی اس صلاحیت کی حفاظت کا انتظام کیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ فیصلے اپنی مرضی سے کر سکیں۔

جمہوریت میں سب سے پہلے بلند و بانگ دعویٰ اس امر کا کیا جاتا ہے کہ یہ عام لوگوں کی حکومت ہے عام لوگوں کے ووٹوں سے (جو کہ صرف اور صرف لوگوں کی نمائندگی کرنے کا ایک آلہ اور ہتھیار ہے) حکومتیں چلتی، بنتی اور بگڑتی ہیں اور عام آدمی کی آواز سنی جاتی ہے آزادی اور رائے ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ تمام دعوے بے بنیاد اور غلط ہیں۔ یہ اس طرح غلط ہیں کہ حکومت ایک بار منتخب ہونے کے بعد کبھی بھی عوام سے نہیں پوچھتی کہ فلاں چیز کس طرح ہو گی اور فلاں چیز کس طرح ہو گی فلاں چیز پر قانون سازی کی جائے اور کس طرح کی جائے؟ ان تمام امور کے لیے عوام سے رائے نہ لی جاتی ہے اور نہ اسے درست سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ عوام اپنا فائدہ کس طرح زیادہ محفوظ رکھ سکتی ہے؟ یہ عوام سے زیادہ ماہرین عمرانی علوم (Social Scientists) جانتے ہیں لہٰذا اس سطح کا ہر معاملہ عمرانی علوم کے ماہرین کے پاس بھیجا جاتا ہے اور ان کی رائے کو حتمی سمجھ کر قانون سازی کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پاکستانی روپے کی قیمت دن بدن گرتی جا رہی ہے پاکستانی عوام کے منتخب نمائندے اس کے سد باب کے لیے کبھی بھی عوام کے پاس نہیں جائیں گے بلکہ یہ معاملہ ماہر معاشیات (عمرانی علوم) کے پاس بھیجا جائے گا اور ماہر معاشیات پاکستان کی معیشت کا مکمل جائزہ اور تجزیہ کرنے کے بعد بتائے گا کہ اس کا سد باب یوں ممکن ہے اور اس کے برعکس ناممکن ہے جب کہ عوام الناس کی رائے غیر معقول تصور کی جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی ایمانیات یہ ہے کہ انسان قائم بالذات آزاد ناقابل مواخذہ ہستی ہے لہٰذا خیر و شر کو وہ خود عقل کے ذریعے طے کرنے، اس کی تعبیر کرنے اور اس پر عمل کرنے کا مکلف ہے۔ اس ایمانیات سے نکلنے والا اچھی زندگی کا تصور یہ ہے کہ اچھی زندگی وہ ہے جس میں ہر انسان کو اس طور پر آزادی ملے جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق نفسانی خواہشات کو پیدا کرنے، تنوع کرنے اور ان کو مکمل کر سکنے پر قادر ہو۔ اس تصور کو جو آلہ نافذ کر سکتا ہے وہ ہے ری پبلک جس میں فیصلے لوگوں کی مرضی سے لوگوں کی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہوتے ہیں اور جمہوریت صرف ایک خاص انداز میں سرمایہ داری کے لیے یہ خدمت سرانجام دیتی ہے۔

خلافت:

خلافت دراصل اسلام کے ریاستی سطح پر نفاذ کا نام ہے خلافت کے ادارے ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلافت کے ذریعے سے شریعت پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے آسان اور لازمی ہو جاتا ہے۔ خلافت اسلام کے تصور خیر (Life Good) کو نافذ کرتی ہے۔ یہ تصور خیر اسلام کی ایمانیات سے ماخوذ ہے جس کے مطابق انسان مخلوق ہے جسے خدا عدم سے وجود میں لایا لہٰذا انسان کی حقیقت اس کا عبد (بندہ) ہونا ہے، اس کائنات کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہے اور انسان صرف مخلوق ہے لہٰذا شر اور خیر کو اللہ تعالیٰ واضح کریں گے اور انسان صرف وہ کرنے کا مکلف ہے جو اسے خدا نے حکم دیا ہے۔ مرنے کے بعد انسان کو اللہ کے سامنے جواب دینا ہے اس ایمانیات سے اچھی زندگی کا تصور یہ نکلتا ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے حصول کے کام سرانجام دیئے جائیں۔ جیسا حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ تم وہاں موجود ہو جہاں خدا نے موجود رہنے کا حکم دیا ہے اور وہاں غیر حاضر ہو جہاں خدا

نے تمہارا وجود ناپسند کیا۔ اس تصور خیر کو نافذ خلافت کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ (ابن خلدون)

خلافت میں جس بات کو ممکن بنایا جاتا ہے وہ ہے اسلام! جو مسلمان ہیں ان کے ایمان کو قوی سے قوی تر کرنے کی کوشش اور اس پر عمل کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع اور دوسری طرف اسلام کی دعوت و تبلیغ جس کے لیے جہاد نہایت اہم ہے۔ یہاں پر یہ بات اچھی طور پر سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اسلامی ریاست اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک آفاقی ریاست ہوتی ہے جو اپنے پھیلاؤ میں کسی خاص مکان میں محدود نہیں رہتی بلکہ پورے عالم میں پھیلنا ضروری ہوتا ہے وہ جغرافیائی حدود میں قید نہیں رہتی ہے جیسا کہ قومی ریاست (Nation State) ہوتی ہے۔ لہٰذا خلیفہ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت اور اس پر عمل اور اسلام کی تبلیغ کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم خلافت کی آئمہ اسلام کے ہاں سے ایک خاص صورت (Form) بیان کریں یہاں یہ بات واضح رہے کہ ہمارے لیے صورت سے بڑھ کر اس میں موجود مافیہ زیادہ اہم ہے اور وہ ہے "اعلائے کلمۃ اللہ"۔ صورتوں کا اختلاف ثانوی درجہ کا ہے اور زیادہ اہمیت کا متحمل نہیں ہے لہٰذا خلافت کی کوئی بھی صورت ہو اور جس میں شریعت نافذ ہو دعوت و تبلیغ جاری ہو درست ہے۔

اب ہم خلافت کا ایک عمومی ڈھانچہ بیان کرتے ہیں۔

خلافت کا قیام دو طرح سے ممکن ہے ارباب حل وعقد شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے خلیفہ کو چن لیں عام طور سے خلیفہ کی شخصیت میں کم سے کم درج ذیل پانچ صفات ہونا ضروری ہیں۔

(۱) علم (۲) عدالت (۳) کفایۃ

(۴) حواس کا درست ہونا (۵) قریشی النسب ہونا (ابن خلدون)

درج بالا شرائط کے مطابق یا اس میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ ارباب حل وعقد خلیفہ کو چن سکتے ہیں تاریخ اسلام میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا انعقاد اسی طرح ہوا۔ (ابن خلدون، ماوردی) دوسرے طریقہ انعقاد خلافت کے مطابق خلیفہ وقت حالات اور شریعت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے خود کسی شخص کو نامزد کرے۔ اور اس طرح حضرت عمرؓ کی خلافت منعقد ہوئی۔ (ماوردی)

خلافت کے یہ دو ہی طریقے نہیں ہیں کسی اور طریقے سے بھی خلافت کا انتخاب کیا جا سکتا ہے لیکن خلیفہ میں مذکورہ صفات کا ہونا ضروری ہے۔ خلافت میں آنے کے بعد خلیفہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ اسے توفیق دے کہ وہ اس ذمہ داری کو شریعت کے تقاضوں کے مطابق کماحقہ نبھا سکے اور اس کے بعد وہ لوگوں سے بیعت لیتا ہے اور لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کہ وہ خلیفہ کے حکم کو اس وقت تک مانیں گے جب تک وہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہو گا اور بصورت دیگر اطاعت نہیں کریں گے یعنی ان کی اطاعت مشروط ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

وأَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الاَمْرِمِنْكُم فَاِنْ تَنَازَعْتُم فِي شَئٍ فَرُدُّوهُ اِلٰى اللّٰهِ والرَّسُول

"اور اللہ، اس کے رسول اور اپنے میں سے صاحبِ امر لوگوں کی اطاعت کرو اور اپنے جھگڑوں میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف پلٹ جاؤ"

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلافت کے بعد فرمایا کہ میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں میں جب تک اللہ کے حکم کے مطابق تم کو لے کر چلتا رہوں اطاعت کرنا ورنہ مجھے درست کرنا۔

خلافت کے اعلان و بیعت کے بعد خلیفہ کی درج ذیل ذمہ داریاں ہیں۔

(۱) ایمان کی حفاظت (۲) جہاد (۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

(۴) حدود و تعزیرات کا انعقاد (۵) شعائر اسلام کی عزت واحترام

(۶) سادہ زندگی (ماوردی)

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا کہ لوگوں کے ایمان کی حفاظت اور اس میں تقویت اور ان کو عمل پر ابھارنا خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے، اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ یہ فرض کفایہ ہے لہٰذا اس کا اہتمام کرنا خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ کوئی نہ کوئی جماعت یا گروہ اس فریضہ کی تکمیل کے لیے کاربند رہے اور جہاد سے بھی منسلک ہے۔

خلیفہ وقت کی زندگی میں سادگی ہو، زندگی گزارنے میں کوئی عیش و عشرت نہ ہو، اسی طرح حدود کا قیام ہے کہ شریعت مطہرہ کی حدود کو توڑنے والوں کو سزائیں دی جائیں اور یہ خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا کریں اور اگر کوئی جرم حدود کی حد سے زیادہ باہر کا ہے تو مناسب تعزیرات کا اہتمام کیا جائے تاکہ شریعت مطہرہ کے قوانین توڑنے کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔

درج بالا عمومی نوعیت کا نقشہ خلافت ہے جس میں آئمہ مجتہدین کا اس کی ساخت میں تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کے مافیہ اور اس کے شریعت کے نفاذ کے آلہ کے طور پر ضروری ہونے پر سب کا اجماع ہے۔

اب ہم مضمون کے آخری حصہ میں داخل ہو رہے ہیں جس میں ہم جمہوریت (ری پبلک) اور خلافت کا تقابلی مطالعہ کر کے نتیجہ اخذ کریں گے۔

(۱) ری پبلک میں لوگوں کی مرضی اور خواہشات کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ جب کہ خلافت میں خدا کی مرضی کے مطابق فیصلے کیے جاتے ہیں۔

دو مختلف چیزیں ہیں[بعض کا کہنا ہے کہ اسلام اور جمہوریت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں](نعوذ باللہ من ذالک)]یہ مغالطہ آمیز بات ہے۔ اسلام نے ہمیں خلافت کا عقیدہ دیا ہے(قال انی جاعل فی الارض خلیفہ)۔ خلافت اور جمہوریت کے اصول و فروع میں زمین آسمان کا فرق ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم خواہی نخواہی اسلام کے نظام خلافت کو جمہوریت ہی باور کرانے کی کوشش کریں یا جمہوریت کو عین اسلام قرار دینے کا ناٹک رچائیں۔

جمہوریت Democracy کا اردو ترجمہ ہے، ڈیموکریسی کا مولد و منشا مغرب ہے۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ڈیموکریسی جسے جمہوریت کہا جاتا ہے پانچ چھ سو سال قبل از مسیح بھی موجود تھی۔ یونان میں جمہوریت رائج رہی، پھر مغرب میں ایک عرصے بعد ڈیموکریسی کا احیا ہوا۔ ایک بات تاریخی تناظر میں طے ہے کہ جمہوریت کبھی کسی مذہبی معاشرے میں رائج نہیں رہی بلکہ اللہ کے باغی معاشروں میں رائج رہی۔ اس نظام کو اِنہی معاشروں نے قبول کیا جو اللہ تعالیٰ اور انبیا علیہم السلام کے منکر معاشرے تھے۔ لہٰذا جب ڈیموکریسی کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہ کوئی اسلامی اصطلاح ہے بلکہ کافرانہ اصطلاح ہے تو اس کا استعمال کیونکر جائز ہوا؟ علما نے لکھا ہے کہ وہ لفظ جو اپنے اندر کسی پہلو سے کفر کا معنی رکھتا ہو اگرچہ فی الاصل مباح ہی ہو تو بھی اس کا استعمال کرنا حرام ہے۔

موجودہ صورت حال میں کیا کیا جائے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين ”مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا“۔

الیکشن ایسا سوراخ ہے کہ پوری قوم بارہا مرتبہ جمہوری سانپ سے ڈسی گئی ہے۔ متعدد بار کے تجربات سے واضح ہو چکا ہے کہ اب من حیث الامۃ ہمیں اس تماشے سے اجتناب برتنا ہو گا، ہمیں اُس طریق کار کی طرف پلٹنا ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا، جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف امت نے تعامل فرمایا۔ یہ راستہ دعوت و تبلیغ اور جہاد و انقلاب کا راستہ ہے اور یہی سبیل المؤمنین ہے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنبه وصل اللهم وسلم وبارک علی محمد نبی الأمی وعلی آله واصحبه اجمعين

☆☆☆☆☆

بقیہ: خلافت یا جمہوریت

(۲) ری پبلک میں رہنما/امیر لوگوں کو اپنے عمل کا جوابدہ ہے اور لوگ آزاد اور برابر ہوتے ہیں۔ جب کہ خلافت میں خلیفہ اللہ رب العالمین کو جوابدہ ہے اور شریعت کے مطابق لوگوں کو چلاتا ہے۔

(۳) ری پبلک میں رہنما کے لیے لوگوں کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے جب کہ خلیفہ کے لیے شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا تضادات کی بنا پر یہ نتیجہ واضح ہے کہ ری پبلک اور خلافت آپس میں متضاد ایمانیات سے نکلنے والے تصور خیر کے نفاذ کے آلات ہیں لہٰذا ان دونوں کو ملانا ناممکن العمل اور خلاف عقل ہے۔ یعنی آپ ری پبلک کے ذریعے سے اللہ کے نظام کو نافذ کرنا چاہئیں تو جزوی طور پر تو شاید یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے جس کی آج تک تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، لیکن ایسا ہونا ایک مشکل کام ہے اسی طرح خلافت کے قیام کے اندر آپ ری پبلک کے مقاصد حاصل کریں تو نہ تو یہ کبھی مقصد رہا ہے اور ایسا ہونا بھی ناممکن ہے۔

اس امر کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ جمہوریہ (ری پبلک) میں رہتے ہوئے مسلمان ری پبلک (جمہوریت) کے ذریعے سے طاقت حاصل کر کے اسے خلافت میں بدل دیں۔ مسلمان جماعتیں طاقت حاصل کر کے اقتدار میں آتے ہی جمہوریت (ری پبلک) کو بند کر دیں اور سب لوگ خلافت کے تحت رہنا شروع کر دیں۔ جمہوریت کے اندر تسلسل سے رہ کر شریعت نافذ رہنا ناممکن العمل ہے اور ہر نظام کے اپنے تقاضے ہیں اور وہ وہی چیز نافذ کرتا ہے جو کہ اس کی مابعد الطبیعاتی بنیادیں ہیں لہٰذا اب ایسا کرنا درست نہ ہو گا لیکن یہ بات کوئی اصولی نوعیت کی نہیں بلکہ ایک تدبیر ہے۔

یہاں ایک اور بات ملحوظ خاطر رہے کہ ری پبلک (جمہوریت) کا تصور آئمہ کے لیے کوئی نئی یا اجنبی تصور نہیں ہے بلکہ اس کو جانتے ہوئے شریعت کے تقاضوں سے غیر ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس سے برأت اختیار کی اور خلافت کو شریعت کے لیے مناسب اور امر الٰہیٰ کے عین مطابق سمجھا اور بتایا لہٰذا آئمہ مجتہدین نے اس سے ناواقف ہونے کی وجہ سے خلافت کا تصور نہیں دیا۔

”قرآن کریم انسان کو انسانوں کی بنائی ہوئی پارلیمنٹ، انسانوں کی بنائی ہوئی اسمبلیوں سے آزادی دلا کر اللہ اور اس کے رسول کی غلامی میں دینا چاہتا ہے!

کوئی آئین کوئی قانون ہرگز منظور نہیں ہے !

ان الحکم الا للہ

قانون ہو تو صرف اللہ کا قانون!

اگر پوری کی پوری دنیا مل کر ایک بات کہتی ہے...

ساری کی ساری امت ایک بات کہتی ہے...

لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے میل نہیں کھاتی تو اسلام کے جوتے جوتے کی نوک پر پوری امت کی بات!!!“

شہید کمان دان ڈاکٹر ارشد وحید رحمہ اللہ

جمہوریت… ابلیسی نظام

مولانا عبد الرؤف محمدی

جمہوری سسٹم میں فیصلوں کی بنیاد کتاب اللہ، علم و حکمت نہیں بلکہ اکثریت جس چیز کو چاہے اس چاہت اور خواہش کی بنیاد پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ جس امیدوار کو زیادہ ووٹ مل جائیں خواہ وہ کس قدر کرپٹ آدمی ہو مگر دوسری طرف کوئی شریف امیدوار تھا اور اہل آدمی بھی ہے تب بھی مقابلے میں چونکہ پہلا شخص زیادہ ووٹ لے چکا ہے اس لیے وہی کامیاب کہلائے گا۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں بھی قوانین اکثریت کی بنیاد پر مرتب کیے جاتے ہیں۔ اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کا انعقاد بہت بڑی گمراہی اور ضلالت ہے، پھر اکثریت بڑی جہلِ مرکب ہو تو اس کی گمراہی اور ضلالت میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ اکثریت جب پارلیمنٹ میں مفادِ عامہ کے لیے قوانین مرتب کرے گی تو اپنی افتادِ طبع، نفسانی خواہشات اور جہالت کی بنیاد پر کرے گی۔ چنانچہ زنا کا فروغ، سودی کاروبار کا استحکام اس پارلیمنٹ کا خاص وظیفہ ٹھہرتا ہے (جیسا کہ ہم حقوقِ نسواں بل دیکھتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ اسلام نے محض اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کو رد کیا ہے اور اکثریت کی پیروی کو ضلالت و گمراہی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (الانعام:۱۱۶)

”اور اس زمین والوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ اگر تم نے ان کی بات مانی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔ یہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل کے تیر چلاتے ہیں“۔

آیت کریمہ میں صرف اکثریت کو رد نہیں کیا گیا بلکہ اس کے بارے میں یہ حقیقت بھی بیان کر دی گئی کہ ان کے فیصلے محکم بنیادوں پر استوار نہیں ہوتے بلکہ وہ ظن و تخمین سے کام لیتے اور ہوا میں تیر چلاتے ہیں… بھلا ایسے لوگ بھی ملت کی قیادت و سیادت کے لیے اہل ہو سکتے ہیں؟ پھر اکثریت کو کسی ایک جگہ قرار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ہی عہد کو بارہا بدلتے رہتے ہیں اور یہ فساق و فجار کی خاص نشانی ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں کس خوبی سے اس بات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ (الاعراف: ۱۰۲)

”اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی استواری نہیں پائی، ان میں سے اکثر بدعہد ہی نکلے“۔

دورِ نبوت اور دورِ صحابہ و تابعین میں بھی کبھی اکثریت کی بنیاد پر فیصلے نہیں کیے گئے۔ ذخیرہ احادیث میں بھی ہمیں کوئی ایک حدیث نہیں ملتی جس میں اکثریت کے فکر و نظر اور فیصلوں کو سراہا گیا ہو اور اکثریت کو بطورِ اصول قبول کیا گیا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ اکثریت کا فلسفہ باطل، گمراہی اور فسق فجور کے سوا کچھ نہیں۔

اسلام دینِ توحید ہے، وہ امت کو وحدت کا عقیدہ و نظریہ دیتا ہے، اسلام کے نزدیک تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، وہ ایک جسم کی مانند ہیں۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو، خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے، شرق میں رہتے ہوں یا غرب میں سب کو ”امتِ واحدہ“ کا عقیدہ دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (المومنون:۲۵)

”بے شک تمہاری امت ہی ایک امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو“۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَثَلُ المؤمنين في تَوَادِّهِم وتراحُمِهِم وتعاطُفِهِم:مثلُ الجسد إذااشتكى منه عضو تَدَاعَى له سائرُ الجسد بالسَّهَرِ والحُمّى (مسلم)

”مسلمانوں کی مثال باہمی مودت و مرحمت اور محبت اور ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے“۔

اس کے ہم معنی صحیحین کی حدیث ہے:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے“۔

ان آیات و احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ وحدت امت، اتحاد و اتفاقِ امت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کتنا اہم ہے۔ وحدتِ امت گویا مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مصدر ہے۔ اور جو شخص اس وحدت کو ختم کرنے کے درپے ہو اس کے لیے شدید وعیدیں ہیں۔

ایک طرف دین اسلام کا یہ حکم ہے، دوسری طرف تقسیم، پارٹی بازی اور گروہ بندی جمہوری نظام کا بنیادی عنصر ہے۔ کامیاب جمہوریت وہی تصور کی جاتی ہے جہاں حزب اقتدار کے مقابلے میں ایک مضبوط حزب اختلاف بھی ہو۔ حزب اختلاف ایک پارٹی پر مشتمل ہو سکتی ہے اور کئی پارٹیوں کا مجموعہ بھی بعینہٖ یہی صورت حال حزب اقتدار کی ہو سکتی ہے۔ پارٹی کے اپنے نظریات اور اپنے اہداف ہوتے ہیں۔ جمہوری سسٹم میں حصہ لینے والی تمام جماعتیں حقوق کی سیاست کر رہی ہوتی ہیں۔ حقوق کی سیاست کا مطلب

اغراض کی سیاست ہے۔ مثلاً ایک قوم پرست جماعت محض اپنی قوم کے مفادات کی سیاست کرتی ہے، وہ اپنے دائرہ کار میں دوسری قوم کو شامل نہیں کرتی، لسانی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے فرقہ یا جماعت کے لیے کام نہیں کرتی۔ مذہبی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے فرقے یا جماعت کے مفاد کے لیے ہرگز کام نہیں کرتی۔ چونکہ اغراض سب کی جدا جدا ہوتی ہیں اس لیے ہر چند افراد کا گروہ یا ایک جماعت بنا کر سرگرم ہو جاتا ہے، یوں تقسیم در تقسیم کا یہ عمل بڑھتا چلا جاتا ہے، آج ہم اس کے بھیانک نتائج کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ سیکولر اور قوم پرست جماعتوں کی ہم بات نہیں کرتے' یہاں تو علما کی جماعتیں ہی کئی کئی گروہوں میں بٹ گئیں۔ جمہوری سسٹم میں مسلسل شمولیت کی وجہ سے اہل دین کی قوت بکھر گئی، ان کا رعب اٹھ گیا، وہ اجتماعی موقف نہ ہونے کی وجہ سے کوئی آواز اٹھاتے ہیں تو صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے، ان کے جائز مطالبات کو بھی در خور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ فاسق و فاجر حکمران اتنے جری ہو چکے ہیں کہ مسجدیں شہید کریں، معصوم طلبہ اور حیا و عفت کی پیکر طالبات کا قتل عام کریں، مجاہدین کو تہہ تیغ کریں، جہاد کو دہشت گردی قرار دیں، مجاہدین اسلام کو پکڑ پکڑ کر بگرام، گوانتاناموبے اور ملک کے کونے کونے میں قائم عقوبت خانوں اور اذیت گاہوں کو آباد کریں... انہیں کھلی چھوٹ ہے۔

جمہوری ریاست میں پارلیمنٹ کا کردار:

پارلیمنٹ جمہوری ریاست کا وہ ادارہ ہے جہاں عوام ووٹ کے ذریعے اپنے نمائندوں کو چنتے ہیں تاکہ وہ ان کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کے مفاد میں قانون سازی کریں۔ بادی النظر میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ مگر اصلاً پارلیمنٹ سرمایہ داری کے نفاذ کا ادارہ ہے۔ سرمایہ دارانہ اداروں کی اسی کے ذریعے نمو ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ میں وہی قانون سازی کی جاتی ہے جو سرمایہ دارانہ مذہب و عقیدہ سے مطابقت رکھتی ہو، اگر عوامی خواہش اس کے برعکس ہو تو اس کی مزاحمت کی جاتی ہے بصورت دیگر اس پورے نظام کی بساط ہی لپیٹ دی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم صوبہ سرحد کی گزشتہ حکومت کے حسبہ بل کے ضمن میں دیکھتے ہیں یا جیسے الجزائر میں اسلامک فرنٹ کی کامیابی کے باوجود پورے نظام کی بساط لپیٹ دی گئی۔ ارکان پارلیمنٹ مقنن یا قانون ساز ہوتے ہیں اور یہ قانون سازی مذہب سرمایہ داری کے نصابی صحیفے انسانی حقوق کے چارٹر کے دیے گئے دائرے میں رہتے ہوئے ہوتی ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت کو حوالہ نہیں بنایا جاتا، بلکہ قرآن و سنت کے علی الرغم قانون سازی ہوتی ہے۔

یوں دیکھا جائے تو حکم اور حکومت کے وہ تمام اختیارات جو اللہ رب العزت کو سزاوار ہیں وہ ارکان پارلیمنٹ اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں ار خود خدا بن بیٹھتے ہیں۔ حقوق نسواں بل، سود کے حق میں گزشتہ حکومت کے فیصلے، عائلی قوانین اور کئی دیگر ظالمانہ استبدادی قوانین ارکانِ پارلیمنٹ کی اسی الوہیت کے مظہر ہیں۔ قرآن کریم اور سنت میں اس قسم کی قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں خصوصاً جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلائے اور پھر مقنن بھی بن بیٹھے، یہ ایمان و اسلام کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (یوسف: ۴۰)

"اختیار و اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو"۔

إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ (ال عمران: ۱۵۴)

"تحقیق سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے"۔

ایک طرف قرآن حکیم کی آیات محکمات ہیں دوسری طرف ارکان پارلیمنٹ کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں قانون بنا دیں خواہ وہ کتاب اللہ کی مخالفت میں ہی کیوں نہ ہو... یہی وجہ ہے کہ پارلیمنٹ ہماری نظر میں:

☆ کتاب اللہ کے استرداد کا مرکز ہے۔

☆ انسانوں کی حاکمیت اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ کا مظہر ہے۔

☆ کافرانہ و مشرکانہ اقتدار کا منبع ہے۔

☆ فحاشی و عریانی، زنا و شراب اور اباحیت زدہ معاشرے کے تحفظ اور فروغ کا ادارہ ہے۔

☆ سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کی اداراتی صف بندی کرنے کا مرکز ہے۔

یہ ہم نے جمہوریت کے بارے میں چند اصولی باتیں ذکر کی ہیں اور سرمایہ دارانہ مذہب کے چند اساسی نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔ ابھی ہم نے بہت سی تفصیلات کو چھوڑ دیا ہے۔ ابھی جمہوری ریاست کی عدلیہ کا کردار بھی زیر بحث نہیں لایا جا سکا جو سرمایہ دارانہ عدل کے قیام کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے کہ جب سرمایہ دارانہ عدل کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد ظلم ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ سرمایہ دارانہ مذہب جس چیز کو عدل تصور کرتا ہے اسلام کے نزدیک وہ عین ظلم ہے جیسے نظریہ آزادی اور جس چیز کو اسلام عدل قرار دیتا ہے' سرمایہ دارانہ مذہب اسے ظلم قرار دیتا ہے۔ عبدیت، بندگی اللہ مثلاً اسلامی احکام جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگسار کرنا، شراب پینے پر کوڑے لگانا وغیرہ... اسی طرف فوج، پولیس، بیوروکریسی، اسٹاک ایکسچینج اور بینکنگ سسٹم کو بھی زیر بحث نہیں لایا جا سکا۔

دراصل یہ پورا سسٹم تفصیلی تجزیے اور محاسبے کا متقاضی ہے اور یہ کام طویل دورانئے کا ہے۔ ان شاء اللہ بہ توفیق الٰہی آئندہ کبھی اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا جائے گا۔ سر دست جو تفصیل ہمارے سامنے آئی ہے اس کے مطابق سرمایہ داری جمہوریت، انسانی حقوق کا چارٹر کفر مطلق، شرک، ضلالت و گمراہی، بغاوت الٰہی اور بدترین ظلم و تعدی کا مجموعہ

ہے۔ہم نے اس نظام کو اسی طرح کفر مطلق کہا ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت، ہندو مت، بدھ مت اور سکھ مت کفر مطلق ہے۔اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد اب ہمارے لیے آسان ہو گیا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں بھی خامہ فرمائی کر سکیں۔

ووٹ کیا ہے؟

ووٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک رائے، شہادت اور مشورہ ہے۔

اولاً ہمیں یہ رائے تسلیم کرنے میں تامل ہے، ووٹ نہ رائے ہے، نہ شہادت اور نہ مشورہ! ثانیاً اگر یہ سب مان بھی لیا جائے تو پچھلی تفصیل کو تسلیم کرنے کے بعد ووٹ دینے کا مطلب یہ ہو گا کہ ووٹ دینے والا اپنی طرف سے نمایندہ بھیج رہا ہے جو کفر مطلق جمہوری نظام میں شرکت کرے، پارلیمنٹ کا ممبر بن کر شرک، بغاوتِ الٰہی اور ظلم و تعدی کا مرتکب ہو۔کیا اسلام میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ کوئی شخص مذکورہ منکرات کے ارتکاب کے لیے رائے اور گواہی دے اور کیا ایسی گواہی اور مشورہ جائز امر کے ضمن میں آئے گا؟

ظاہر ہے شریعت اسلامیہ میں ایسی کسی گواہی اور مشورے کی گنجائش نہیں!ایسی رائے، گواہی اور مشورہ سب باطل ہیں!اس کا ارتکاب کرنے والا عند اللہ مجرم ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر کہا جائے کہ اہل اور دیانت دار شخص کو ووٹ دیا جائے تو بھی وہ دیانت دار شخص جائے گا تو اسی کافرانہ جمہوری نظام میں!اس کی مثال یوں سمجھیے کہ اگر بالفرض ہمارے ہاں ہندومت غالب آجائے اور مندر کو پارلیمنٹ کی حیثیت دے دی جائے اور اعلان کیا جائے کہ مندر ہی آئندہ تمام سیاسی و معاشرتی سرگرمیوں کو مرکز ہو گا اور مسلمان بھی اس مندر کے ممبر بننے لگیں، اپنی عبادات کے علاوہ پوجا پاٹی نظام کو قبول کر لیں اور پروہت بننے میں فخر محسوس کریں تو جس طرح اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، اسی طرح پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی بھی گنجائش نہیں۔مندر میں بتوں کی پوجا کی جاتی ہے جب کہ پارلیمنٹ میں انسان اپنی بندگی کرتا ہے یا سرمایے کی بندگی۔جیسے مندر ہندو مت کے عملی اظہار کی جگہ ہے، اسی طرح پارلیمنٹ مذہب سرمایہ داری (جو کفرِ مطلق ہے) کے اظہار کی جگہ ہے۔تو جس طرح پنڈت پروہت بننے کی اسلام میں قطعی گنجائش نہیں اسی طرح پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی گنجائش کیوں کر نکالی جاسکتی ہے؟

ووٹ مشورہ ہے نہ شہادت:

ہماری نظر میں ووٹ نہ مشورے کی حیثیت رکھتا ہے اور نہ گواہی کی بلکہ سرمایہ دارانہ نظام میں جس طرح انسان اپنی آزادی کا اظہار سرمایے کے ذریعے کرتا ہے اسی طرح وہ اپنی آزادی کا اظہار ووٹ کے ذریعے بھی کرتا ہے۔ووٹ کے بارے میں وہ اپنے سرچشمہ قوت، منبع اقتدار و اختیار ہونے یعنی اپنے خدا ہونے کا خود اعلان کرتا ہے۔

☆پھر اگر ووٹ کو بالفرض مشورہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو کیا مشورہ سے متعلق جتنی بھی اسلامی تعلیمات ہیں وہ یہاں پائی جاتی ہیں؟ووٹنگ میں بلا قید و جنس و مذہب ہر شخص حصہ لے سکتا ہے۔کیا اسلامی نکتہ نگاہ سے مشورہ و رائے ہر شخص سے لیا جاسکتا ہے؟مثلاً کہیں اسلامی ریاست میں کسی جگہ قاضی مقرر کرنا ہو تو کیا اس کام کے لیے صرف علما و صلحا اور اتقیا سے مشورہ لیا جائے گا یا ان کے ساتھ بھنگی، چرسی، زانی، شرابی، ڈاکو کو بھی مشورے میں شامل کیا جائے گا؟یا مثلاً کہیں بیماریوں کی آفت آگئی ہے اور وہاں ماہر ڈاکٹروں کی اشد ضرورت ہے تو اس کے لیے ماہر ڈاکٹروں سے ہی مشورہ لیا جائے گا یا قصائیوں، نائیوں اور طبلہ سارنگی بجانے والوں کو بھی مشورے میں شامل کیا جائے گا؟

اسلام نے تو مشورے کے بارے میں خاص تعلیمات دی ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس میں قرآن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا کوئی حکم ہمیں نہیں ملا تو ہم کس طرح عمل کریں۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> اجمعوا له عبدين من امتی وجعلوه بينكم شوریٰ ولا تقضوا برأی واحد (روح المعانی)
>
> ”اس کے لیے میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کر لو اور آپس میں مشورہ طے کر لو اور کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو“۔

اس روایت کے بعض الفاظ میں فقہاو عابدین کا لفظ آیا ہے، جس سے معلوم ہوا ہے کہ مشورہ ان لوگوں سے لینا چاہیے جو فقہا یعنی دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہوں اور عبادت گزار ہوں۔صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ جو مشورہ اس طریق پر نہیں ہے بلکہ بے علم، بے دین (یعنی فساق و فجار) لوگوں میں دائر ہو گا اس کا فساد اس کی صلاح پر غالب ہو گا۔

☆ اگر ووٹ کو گواہی تسلیم کیا جائے تو کیا یہاں گواہی کی شرائط اور حدود و قیود موجود ہیں؟ مثلاً گواہ عادل ہو، بالغ ہو، شریف ہو، بایں معنی کہ پنج وقتہ نمازی ہو، حلال و حرام کو جانتا ہو، یہاں بیشتر اکثریت ایسی ہے جو طہارت و نماز کے بنیادی مسائل سے بھی واقف نہیں۔فقہا نے درج ذیل اشخاص کی گواہی نا قابل قبول قرار دی ہے:

۱۔ نماز روزے کا عمداً تارک ہو۔	۲۔ یتیم کا مال کھانے والا۔
۳۔ زانی اور زانیہ	۴۔ لواط کا مرتکب
۵۔ جس پر حد قذف لگ چکی ہو	۶۔ چور، ڈاکو۔
۷۔ ماں باپ کی حق تلفی کرنے والا	۸۔ خائن اور خائنہ

☆اگر کہا جائے کہ ووٹ ایک امانت ہے تو سوال ہو گا کہ یہ امانت بندوں کو کس نے تفویض کی؟آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوئی یا جمہوریت نے تفویض کی؟یقیناً اللہ

تعالیٰ کی طرف سے نہیں کہا گیا کہ جب تمہیں امیر مقرر کرنا ہو تو سب لوگ مل کر ووٹ ڈالا کرو، نہ ہی سنت سے اور تعامل امت سے اس عمل کی کوئی توثیق ملتی ہے۔

ہاں! جمہوریت کی تفویض کردہ امانت ہو سکتی ہے مگر باطل امانت ہے، یہ ایسی ہی امانت ہے کہ جیسے کوئی شخص شراب کی بوتل آپ کے پاس بطورِ امانت رکھنے آئے تو کیا آپ اس بوتل کو دیکھتے ہی توڑنے کے درپے ہوں گے یا حفاظت سے رکھنے کی کوشش کریں گے؟

☆ بعض لوگ بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں اور ووٹ کو بیعت کا قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ ووٹ بھلا بیعت کے قائم مقام کیسے ہو سکتا ہے؟ بیعت سمع و طاعت کی بنیاد پر ہوتی ہے، وہاں تسلیم کرنے کے سوا دوسرا راستہ نہیں جب کہ ووٹ آزادی کے اظہار کا ذریعہ ہے، یہاں آپ آزاد ہیں کہ چاہیں تو مسلم لیگ کو ووٹ دیں چاہیں تو پی پی پی کو چاہیں تو کسی دیانت دار شخص کو ووٹ دے دیں۔

ووٹ کے حوالے سے چند دیگر عملی مسائل بھی ہیں۔ مثلاً ووٹروں کی اکثریت اپنے ضمیر کی آزادی کے مطابق ووٹ نہیں دے پاتی۔ وہ اگر کسی امیدوار کو غلط اور نااہل سمجھتا ہے تو اپنی پارٹی کی رائے، قبیلے کے فیصلے یا برادری کی حمایت کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے کہ اُسی نااہل شخص کو ووٹ دے (یہ جبر سرمایہ دارانہ نظام کا اندرونی تضاد ہے)۔

مختلف سیاسی جماعتیں آپس میں سیٹ ایڈجسٹمنٹ بھی کرتی ہیں۔ اس صورت میں ووٹر آپس میں سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے پاس دار ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک مذہبی جماعت نے مسلم لیگ (ق) کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی، ق لیگ بلاشبہ علما خصوصاً لال مسجد کے معصوم طلبہ و طالبات کی قاتل جماعت ہے۔ مگر جہاں اس مذہبی جماعت کے ووٹر موجود ہیں اور ق لیگ کا امیدوار کھڑا ہے تو اس کے ووٹر ق لیگ کے امیدوار کو ووٹ دینے کے پابند ہوتے ہیں۔

☆ ووٹوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے، بھاری رقوم خرچ کرکے لوگوں سے ووٹ خریدے جاتے ہیں۔

☆ ووٹوں کے حصول کے لیے بھاری اخراجات کرکے باقاعدہ مہم چلائی جاتی ہے، اس مہم پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں جو اسراف و تبذیر کے زمرے میں آتے ہیں۔

☆ ووٹوں کے حصول کے لیے مخالفین پر بدترین اور شرمناک الزامات لگائے جاتے ہیں، اس سلسلے میں تمام اخلاقی قدروں اور معاشرتی تقاضوں کو یکسر پامال کر دیا جاتا ہے۔

☆ الیکشن کے دوران خفیہ اداروں کی مداخلت اب کوئی مخفی بات نہیں ہے، حکمران ٹولہ آئندہ اپنی مرضی کا سیٹ اپ لانے کے لیے خفیہ اداروں کے ذریعے ایسا جال بچھاتا ہے کہ نتائج میں بس اُنیس بیس کا ہی فرق ہوتا ہے۔

☆ یہ بات بھی اہل نظر سے مخفی نہیں کہ بالادست قوتیں اپنے من پسند امیدواروں کو جتوانے کے لیے دھمکی، دھونس سے کام لینے کے علاوہ خفیہ طور پر بیلٹ باکس میں اضافی ووٹ ڈلوا دیتی ہیں، بہت سے فوت شدہ لوگوں کے شناختی کارڈ استعمال کیے جاتے ہیں۔

ان تمام امور کے ہوتے ہوئے ووٹ کو شہادت، امانت اور مشورہ قرار دینا بہت بڑی خطا ہے، جن علمانے ووٹ کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے اسے مشورہ، امانت اور شہادت ہونے کے فتاویٰ جاری فرمائے ہیں غالباً اُنہوں نے اس پورے نظام کا گہری نگاہ سے مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ وہ ضرور اس قسم کے فتاویٰ صادر کرنے سے اجتناب کرتے۔

ووٹ استبدادی نظام کی توثیق اور تائید کا ذریعہ ہے:

ہماری نظر میں ووٹ دینا مشرکانہ نظام ریاست و سیاست کے قیام و استحکام کا ذریعہ ہے، یہ شرک کے ارتکاب اور کفر کی تائید کے علاوہ ظلم و استبداد کی حکومت کی حمایت کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ولا تعانوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ

قرآن مجید میں انہی لوگوں کو ہدایت یافتہ قرار دیا گیا ہے جو اپنے ایمان کو شرک اور ظلم سے آلودہ نہیں کرتے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُم بِظُلْمٍ أُوْلَـئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُوْنَ (الانعام: ۸۲)

”جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا، وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن اور چین ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں“۔

کیا ”اسلامی جمہوریت“ کوئی چیز ہے؟

اس سوال کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ ”کیا اسلامی کفر بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے؟“ ظاہر ہے کوئی بھی ذی ہوش انسان اس کا قائل نہیں ہوگا۔ دراصل غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں کسی اصطلاح کے ساتھ اسلامی لگانے کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ اس لیے کہ وہ اپنی اصل میں اسلامی نہیں ہوتی۔ اکثر و بیشتر اصطلاحات جن کے ساتھ اسلامی کا لفظ ہو مشتبہ ہوتی ہیں۔ جیسے ”اسلامی بنک کاری“، ”اسلامی ٹی وی چینلز“۔ آپ اسلامی بنک کاری کی اصطلاح استعمال کریں اور سمجھیں کہ اب یہ چیز جائز ہو گئی۔ یہ ممکن نہیں! اس لیے کہ بنک کاری کا تمام تر نظام سود، سٹے اور جوئے پر مشتمل ہے۔ پھر آپ یہ بھی سوچئے کہ کبھی آپ سے کسی نے کہا ”اسلامی نماز“۔ ”اسلامی جہاد“۔ یا ”اسلامی حج“۔ یہاں اسلامی کا لفظ لگانے کی اس لیے نہیں کہ یہ اصطلاحات اسلام کے اندر فطری ہیں کبھی کسی کو اشتباہ نہیں ہوتا ہے کہ ”حج“ بولا جائے اور اس سے کوئی شخص گنگا کا اشنان سمجھے یا بیساکھی کی طرف ذہن جائے! یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کی اصطلاح نظر آئے لازمی ہے کہ وہاں توقف کیا جائے اور خوب غور و فکر کے بعد اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

”اسلامی جمہوریت“ بھی ایسی ہی ایک اصطلاح ہے جس کے بارے میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ بہت سے دانش وروں کا کہنا ہے کہ مغربی جمہوریت اور اسلامی جمہوریت

دو مختلف چیزیں ہیں[بعض کا کہنا ہے کہ اسلام اور جمہوریت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں](نعوذ باللہ من ذالک)]یہ مغالطہ آمیز بات ہے۔ اسلام نے ہمیں خلافت کا عقیدہ دیا ہے(قال انی جاعل فی الارض خلیفہ)۔ خلافت اور جمہوریت کے اصول و فروع میں زمین آسمان کا فرق ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم خواہی ناخواہی اسلام کے نظام خلافت کو جمہوریت ہی باور کرانے کی کوشش کریں یا جمہوریت کو عین اسلام قرار دینے کا ناٹک رچائیں۔

جمہوریت Democracy کا اردو ترجمہ ہے، ڈیموکریسی کا مولد و منشا مغرب ہے۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ڈیموکریسی جسے جمہوریت کہا جاتا ہے پانچ چھ سو سال قبل از مسیح بھی موجود تھی۔ یونان میں جمہوریت رائج رہی، پھر مغرب میں ایک عرصے بعد ڈیموکریسی کا احیا ہوا۔ ایک بات تاریخی تناظر میں طے ہے کہ جمہوریت کبھی کسی مذہبی معاشرے میں رائج نہیں رہی بلکہ اللہ کے باغی معاشروں میں رائج رہی۔ اس نظام کو اِنہی معاشروں نے قبول کیا جو اللہ تعالیٰ اور انبیا علیہم السلام کے منکر معاشرے تھے۔ لہٰذا جب ڈیموکریسی کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہ کوئی اسلامی اصطلاح ہے بلکہ کافرانہ اصطلاح ہے تو اس کا استعمال کیونکر جائز ہوا؟ علما نے لکھا ہے کہ وہ لفظ جو اپنے اندر کسی پہلو سے کفر کا معنی رکھتا ہو اگرچہ فی الاصل مباح ہی ہو تو بھی اس کا استعمال کرنا حرام ہے۔

موجودہ صورت حال میں کیا کیا جائے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين "مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا"۔

الیکشن ایسا سوراخ ہے کہ پوری قوم بارہا مرتبہ جمہوری سانپ سے ڈسی گئی ہے۔ متعدد بار کے تجربات سے واضح ہو چکا ہے کہ اب من حیث الامۃ ہمیں اس تماشے سے اجتناب برتنا ہوگا، ہمیں اُس طریق کار کی طرف پلٹنا ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا، جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف امت نے تعامل فرمایا۔ یہ راستہ دعوت و تبلیغ اور جہاد و انقلاب کا راستہ ہے اور یہی سبیل المؤمنین ہے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنبه وصل اللهم وسلم وبارك على محمد نبى الأمى وعلى آله واصحبه اجمعين

☆☆☆☆☆

بقیہ: خلافت یا جمہوریت

(۲) ری پبلک میں رہنما/امیر لوگوں کو اپنے عمل کا جوابدہ ہے اور لوگ آزاد اور برابر ہوتے ہیں۔ جب کہ خلافت میں خلیفہ اللہ رب العالمین کو جوابدہ ہے اور شریعت کے مطابق لوگوں کو چلاتا ہے۔

(۳) ری پبلک میں رہنما کے لیے لوگوں کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے جب کہ خلیفہ کے لیے شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا تضادات کی بنا پر یہ نتیجہ واضح ہے کہ ری پبلک اور خلافت آپس میں متضاد ایمانیات سے نکلنے والے تصور خیر کے نفاذ کے آلات ہیں لہٰذا ان دونوں کو ملانا ناممکن العمل اور خلاف عقل ہے۔ یعنی آپ ری پبلک کے ذریعے سے اللہ کے نظام کو نافذ کرنا چاہئیں تو جزوی طور پر تو شاید یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے جس کی آج تک تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، لیکن ایسا ہونا ایک مشکل کام ہے اسی طرح خلافت کے قیام کے اندر آپ ری پبلک کے مقاصد حاصل کریں تو نہ تو یہ کبھی مقصد رہا ہے اور ایسا ہونا بھی ناممکن ہے۔

اس امر کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ جمہوریہ (ری پبلک) میں رہتے ہوئے مسلمان ری پبلک (جمہوریت) کے ذریعے سے طاقت حاصل کر کے اسے خلافت میں بدل دیں۔ مسلمان جماعتیں طاقت حاصل کر کے اقتدار میں آتے ہی جمہوریت (ری پبلک) کو بند کر دیں اور سب لوگ خلافت کے تحت رہنا شروع کر دیں۔ جمہوریت کے اندر تسلسل سے رہ کر شریعت نافذ رہنا ناممکن العمل ہے اور ہر نظام کے اپنے تقاضے ہیں اور وہ وہی چیز نافذ کرتا ہے جو کہ اس کی مابعد الطبیعاتی بنیادیں ہیں لہٰذا اب ایسا کرنا درست نہ ہوگا لیکن یہ بات کوئی اصولی نوعیت کی نہیں بلکہ ایک تدبیر ہے۔

یہاں ایک اور بات ملحوظ خاطر رہے کہ ری پبلک (جمہوریت) کا تصور آئمہ کے لیے کوئی نئی یا اجنبی تصور نہیں ہے بلکہ اس کو جانتے ہوئے شریعت کے تقاضوں سے غیر ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس سے برأت اختیار کی اور خلافت کو شریعت کے لیے مناسب اور امر الٰہیٰ کے عین مطابق سمجھا اور بتایا لہٰذا آئمہ مجتہدین نے اس سے ناواقف ہونے کی وجہ سے خلافت کا تصور نہیں دیا۔

"قرآن کریم انسان کو انسانوں کی بنائی ہوئی پارلیمنٹ، انسانوں کی بنائی ہوئی اسمبلیوں سے آزادی دلا کر اللہ اور اس کے رسول کی غلامی میں دینا چاہتا ہے!
کوئی آئین کوئی قانون ہرگز منظور نہیں ہے !
ان الحکم الا للہ
قانون ہو تو صرف اللہ کا قانون!
اگر پوری کی پوری دنیا مل کر ایک بات کہتی ہے...
ساری کی ساری امت ایک بات کہتی ہے...
لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے میل نہیں کھاتی تو اسلام کے جوتے جوتے کی نوک پر پوری امت کی بات!!!"

شہید کمان دان ڈاکٹر ارشد وحید رحمہ اللہ

اپنے رب سے صلح کرلیجیے!!!

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر احسانات بے پایاں ہیں، اُس کی نعمتیں اس قدر ہیں کہ احاطہٗ شمار میں لاناہی ممکن نہیں اور اُسی کے فضل ورحمت اور جُودوکرم کی بدولت ہم اورآپ چل پھر رہے ہیں... لیکن انسانوں کا معاملہ بڑاہی عجیب ہے، قرآن مجید کے الفاظ میں وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (السباء:۱۳) "میرے بندوں میں تھوڑے ہی ہیں جو شکر گزار ہیں"... اور پھر اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے یہی سوال کرتے ہیں کہ يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ (الانفطار:٦) "اے انسان! بھلا تجھے اپنے کریم رب کے معاملے میں کس شے نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟"... یہی انسان ہے کہ وہ اپنے رب کی نعمتوں پر شکر کی بجائے اُس کی نافرمانیوں میں بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، اُس کا پروردگار اُسے جتنا زیادہ نوازتا ہے، وہ طغیان و سرکشی میں اُتنا ہی زیادہ اندھا ہو جاتا ہے...

آج' انسان کی اپنے رب سے ایسی ہی بغاوتوں اور سرکشیوں سے دنیا بھر چکی ہے! کفار تو ہیں ہی اللہ تعالیٰ کے باغی اور انکاری اور اُن کے لیے كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ (المرسلات:۷۷)] فرما کر دنیاوی زندگی کی رعنائیوں اور رونقوں سے متمتع ہو کر اخروی اور دائمی خسارے کی "خوش خبریاں" اللہ تعالیٰ نے دی ہیں کہ

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ (الاحقاف:۲۰)

"اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے جائیں گے (اور کہا جائے گا) کہ تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور ان سے متمتع ہو چکے تو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے (یہ) اس کی سزا (ہے) کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اسکی کہ بدکرداری کرتے تھے"۔

لیکن اہلِ ایمان کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور شریعت محمدی علی صاحبھا السلام کی صورت میں دنیا و آخرت کی کامیابیوں، بھلائیوں، سرفرازیوں اور فوز و فلاح کا انتظام فرمایا ہے... آج بدقسمتی یہی ہے کہ مسلمان اپنے ہاتھوں ہی سے اس انتظام ربی کی تخریب کر کے اور اس نعمتِ الٰہی سے اعراض کا رویہ برت کر دنیا بھر میں ذلیل و رسوا ہیں... پوری دنیا میں امتِ مسلمہ پر طاری ذلت، بے چارگی، درماندگی اور بے کسی کی وجہ کہیں اور تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ امت جس حالتِ ضعف کو پہنچی ہے اور کفارِ عالم کے لیے پوری دنیا میں تر نوالہ بنی ہوئی ہے تو اس کی وجوہات واسباب کہیں اور تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے اعمال اور افعال پر ہی ایک نظر ڈال لینا کافی ہے! بقول شاعر

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزِ سیاہ
خود دکھایا ہے میرے گھر کے چراغاں نے مجھے

پاکستان کو "اسلام کا قلعہ" باور کروایا جاتا ہے اور اس "قلعہٗ اسلام" میں اجتماعی وانفرادی سطح پر دین اور شریعت کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جا رہا ہے؟ یہاں معاشی، معاشرتی، سیاسی، تہذیبی اور انفرادی واجتماعی سطح پر غربتِ اسلام اور اجنبیتِ اسلام کا کیا عالم ہے؟ اور ریاست کی سطح سے لے کر شخصی اور انفرادی سطح پر احکاماتِ اسلام کی کی کیسی گت بنائی جاتی ہے، یہ سب کے سامنے ہے! ۸ مارچ کو ہونے والے "عورت مارچ" کے مناظر نے واضح کر دیا ہے کہ اس ملک میں طبقہٗ مترفین کو اسلام اور دین کے خلاف ہر طرح کی بکواس کرنے، ہفوات بکنے اور قولی سے بڑھ کر عملی اقدامات اٹھانے کی کھلی چھوٹ ہے! "عورت مارچ" کے سلوگنز اور نعروں پر صرف ایک اچٹی سی نظر ڈال کر دیکھئے اور پھر خود سے سوال کیجیے کہ یہ شریعت سے سراسر بغاوت اور کھلی دشمنی کے علاوہ اور کیا ہے؟ شریعت 'مسلمانوں کو پاکیزگی کا درس دیتی ہے، مرد و عورت کے مابین 'برابری' نہیں بلکہ ان کے درمیان عزت واحترام کے رشتوں اور نیک وپاکیزہ جذبات و احساسات پروان چڑھانے کا درس دیتی ہے، یہ خواتین کو مردوں کے "شانہ بشانہ" نہیں چلاتی بلکہ ایک عورت کو خاتونِ خانہ کی حیثیت سے گھر کی ملکہ بناتی ہے، یہ عورت و مرد کو باہم متصادم اور دست وگریباں کرنے کی بجائے مرد کو "قوام" قرار دے کر خاندان کی اکائی کا تحفظ کرتی ہے اور پھر اس خاندانی اکائی کو ادارہ

قرار دے کر اس ادارے کی تربیت کی ذمہ داری 'خاتونِ خانہ کے سپرد کرتی ہے! اسی لیے شریعت کی نظر میں تجرد کی زندگی کو پسند کیا گیا ہے نا ہی مسلمان معاشرے میں کہیں Single Parent Child کا تصور دیکھنے سننے کو ملتا ہے! لیکن یہ حیاباختہ قبیل کی "روشن خیالی" ہے جو اس سارے نظام کو تلپٹ کر کے یہاں اُن سب گندگیوں اور نجاستوں کا رواج چاہتی ہے جن میں مغرب ڈوبا ہوا ہے!

قصہ صرف "عورت مارچ" کا نہیں بلکہ معاشرے کو پوری طرح تہذیب افرنگ و شرک میں رنگ دینے کے لیے تمام جتن کیے جا رہے ہیں... نیو ایئر نائٹ پر بدقماشیوں، عیش و عشرت اور رنگین مزاجیوں کو پروان چڑھانے کی مہم کس منظم طریقے سے چلائی جاتی ہے... ویلنٹائن ڈے پر نوجوان نسل کو کھلے عام زناکاری اور بدکاری کی طرف راغب کرنے کا 'ٹرینڈ' کس تیزی سے معاشرے میں عام ہوا ہے... 'کرسمس ڈے' کو سرکاری سطح پر کس طرح منایا جاتا ہے اور مروجہ اسلامی جمہوری جماعتیں بھی کرسمس کیک کاٹنے اور "مسیحی بھائیوں" Merry Christmas کہہ کر "محبتوں کے پھول نچھاور" کرتی نظر آتی ہیں[1]... بسنت کے نام پر ہندو تہوار کو عوامی سطح پر کیسی پذیرائی دلائی گئی اور اب دوسرے ہندو تہوار ہولی اور دیوالی وغیرہ کو کس طرح تعلیمی اداروں سمیت بقیہ معاشرے میں رائج کرنے کی کوششیں عروج پر ہیں![2]

معاملہ یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ ذریتِ ابلیس 'مسلمانوں کو پوری طرح بگاڑنے اور کفر و فسق کے فساد کو گھر گھر برپا کرنے کے لیے بہت ہی باریک بینی اور انتہائی منظم طور پر کام کر رہی ہے... ثقافت کے نام پر پھیلائی جانے والی کثافت نے ہماری معاشرتی اور خانگی زندگیوں کو کس قدر کثیف، گدلہ اور میلا کر دیا ہے، یہ محتاجِ بیان نہیں ہے... ڈراموں اور ٹیلی فلموں کے نتیجے میں معاشرے میں بڑھتی ہوئی جنسی ہوس ہے جس نے ۳ سال کی معصوم بچی سے لے کر ہر عمر کی خاتون کی عزت و عفت کو معاشرے میں بالکل غیر محفوظ بنا دیا ہے... جنسی بھیڑیے ہیں کہ اپنی ہوس کی پیاس بجھانے کے لیے چھوٹی چھوٹی معصوم کلیوں کو مسل اور کچل دیتے ہیں لیکن جواب میں زیادہ سے زیادہ دو چار ہفتے کی خبریں، آٹھ دس دن سوشل میڈیا پر مہم، دو چار آنسو اور...... بس!!! نہ کوئی مسئلہ کی جڑ کو پکڑتا ہے اور نہ ہی کوئی اس جڑ کو کاٹنے کی فکر کرتا ہے! آج ہمارے معاشرے میں گھر گھر میں فساد اور افراتفری کا عالم ہے، خاندان کا ادارہ زبوں حالی کا شکار ہے، میاں بیوی کے درمیان رنجشیں اور رقابتیں ہیں کہ ختم ہونے کو نہیں آتیں، ساس بہو اور نند بھاوج کے جھگڑوں اور خاندانوں کے اندر بھائیوں کے مابین لڑائیوں اور فساد نے ہر فرد کے ذہنی سکون کو اکارت کر رکھا ہے... اللہ تعالیٰ کے فرمان الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ (البقرۃ:۲۶۸) کو نظر انداز کیا اور فقر و فاقہ کے ڈر سے خواتین 'کہ جنہیں اسلام نے بغیر کسی اشد مجبوری اور اضطراری حالت کے فکرِ معاش کا ذمہ دار ہی نہیں بنایا اور جن کے متعلق دوٹوک حکم ہے کہ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ '(الاحزاب:۳۳) کو گھروں سے نکال کر "ورکنگ وومن" کے کردار میں ڈھال دیا تو اس کی قباحتیں اور نتائج کسی نظر سے پوشیدہ نہیں!...

ذرا دیکھیں کہ ہمارا معاشرہ جسے عموماً "مذہبی معاشرہ" کہا اور سمجھا جاتا ہے، اُس معاشرے میں اب ڈھکے چھپے طور پر نہیں بلکہ ببانگ دُہل انداز میں نوجوان لڑکیوں کو "شادی والے دن گھروں سے بھاگنے" کی ترغیب دی جاتی ہے اور ایک آن لائن ٹیکسی سروس کے جہازی سائز اشتہار میں دلہن کو دکھا کر کہا جاتا ہے کہ "شادی کے دن بھاگنا ہے تو فلاں فلاں بائیک سروس استعمال کریں"... پھر اس معاشرے میں جب ہم اپنی عفت مآب بہنوں اور بیٹیوں کے لیے حضرت عائشہ، فاطمہ و حفصہ رضی اللہ عنھن کا مثالی کردار پیش کرتے ہیں تو اس عظیم کرداروں کے مقابلے میں "ننگِ وطن و ننگ بدن"، حیاسوز کردار کی حامل اور اپنے جسم کو مختصر سے مختصر ترین لباس سے "ڈھانپنے" والیوں کو "رول ماڈل" کے طور پر یوں پیش کیا جاتا ہے کہ یوم پاکستان پر "اسلامی" "مملکتِ پاکستان کا سربراہِ ریاست اُس عورت کو پاکستان کے اعلیٰ ترین سول ایوارڈ "تمغۂ امتیاز" سے نوازتا ہے جس کی وجۂ شہرت صرف اور صرف جسم کی برہنگی کی تشہیر اور "آئٹم سانگز" ہی ہیں!

اس سے بھی آگے بڑھیے! نیوزی لینڈ کی مساجد میں صلیبی کفار نے مسلمانوں کو خون سے نہلا دیا، پوری دنیا کے مسلمان سراپا غم و حزن تھے، اُن کے دل اور کلیجے غم و اندوہ سے پھٹے جا رہے تھے، وہ حالتِ سوگ میں تھے، شہید ہونے والے نمازیوں میں ۹ نمازیوں کا تعلق پاکستان سے تھا جن میں سے متعدد شہر کراچی سے

---

[1] حالانکہ متقدمین و متاخرین علمائے اسلام نے ان حرکاتِ شنیعہ کو "خنزیر کاٹنے" سے تشبیہ دی ہے اور کرسمس پر مبارک باد کو اتَّخَذَ اللهُ وَلَدًا کہنے سے تعبیر کیا ہے [نعوذ باللہ من ذالک]

[2] اس سلسلے میں لاہور کے ایف سی کالج کے طلبہ کا ہولی والے دن سڑکوں پر غل غپاڑے اور قائد اعظم یونی ورسٹی اسلام آباد میں طلبہ و طالبات کا باہم مل کر ہولی منانے اور ناچتے گاتے ہوئے ایک دوسرے کو "رنگنے" کے مناظر ذہن میں رہیں!

تعلق رکھتے تھے۔اسی شہر کراچی میں اِس سانحہ کے ٹھیک تیسرے دن ”پی ایس ایل فائنل “ہوا، یہ فائنل دیکھنے کے لیے ملک کا آرمی چیف خاص طور پر سٹیڈیم پہنچا...اس فائنل کی تقریب میں چند ہی گھنٹے قبل مسلمانوں پر بیتنے والے سانحے کا غم یوں غلط کیا گیا کہ ناچ گانے،ڈھول تاشے اور موسیقی وہلڑبازی کا منظم پروگرام پیش ہوا، جس میں گویوں،طوائفوں اور مسخروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور ملک کا آرمی چیف یہ فنی مظاہر دیکھ کر دادِ عیش دیتا رہا...اگلے دن کی اخبارات میں آئی ایس پی آر کی طرف سے نمایاں بیان لگا ”دہشت گرد ہار گئے،امن جیت گیا!!“...گویا اِن کا ”امن “یہی رقص وسرود، فسق وفجوراوراللہ کی ناراضی مول لینے والے کام ہی ہیں!!!

اے اہلِ پاکستان!!!وقت بہت کٹھن ہے!یقین کیجیے کہ سنبھلنے کا موقع اگر اللہ تعالیٰ عطافرمارہے ہیں اور مسلسل عطافرمارہے ہیں تو اسے اُس ذات کا حلم اور بردباری ہی سمجھیے اوراُس کے حلم اور بردباری کے ساتھ ساتھ اُس کی پکڑ اور عذاب کو بھی دھیان میں رکھیے کیونکہ

نہ جااس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی

ڈراس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

یہ جو کچھ بیان کیا گیاہے ان میں سے کسی ایک واقعہ کے متعلق بھی نہیں کہاجاسکتا کہ ”یہ ایک انفرادی معاملہ ہے“بلکہ ان تمام واقعات میں ہر طرح سے حکومت اور ریاست ناصرف شریک ہیں بلکہ ریاستی تعاون وتحفظ اور حکومتی ایمااوررضامندی سے ہی یہ فساق کے یہ ٹولے اپنی زہرناکیاں پھیلا رہے ہیں!کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ موجودہ حکومت کے وزیراطلاعات فواد چوہدری نے قومی اسمبلی میں شراب کی ممانعت پر پیش ہونے والے بل سے متعلق کیا کہا؟اُس نے کہا کہ ”آج شراب پرپابندی لگائیں گے توکل یہ لوگ کہیں گے کہ غیر مسلم جزیہ دیں،ہمیں طے کرناہوگا کہ ہمیں ایک سول اور مہذب معاشرے کی طرف بڑھناہے یادقیانوسیت کی زندگی ہی گزارنی ہے“...ملک پر کئی بار حکمرانی کرنے والے نواز شریف کے بارے میں توکچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ توہندوؤں کے بھگوان اور مسلمانوں کے خدا کو ایک ہی تصور کرتاہے...پیپلزپارٹی بھی جو ملک پر متعدد مرتبہ حکومت کرچکی ہے‘کے موجودہ شریک چیئرمین بلاول زرداری توباقاعدہ مندروں میں جاکربتوں کے سامنے پوجا کرتاہے!دوسری طرف سندھ میں حالت یہ ہے کہ اسلام کی آغوش میں آنے والی ہندوخواتین تک کو اپنے پرانے مذہب میں واپس دھکیلنے کے لیے پوری ریاست ایڑی چوٹی کازور لگارہی ہے!!!

آپ ریاست کے خلاف ایک لفظ بولیں،آپ کاتیہ پانچہ کردیاجائے گااور کچھ بھی باقی نہیں بچے گالیکن دین،اسلام اوراحکاماتِ شریعت کی دھجیاں اُڑادیں،اُن کے ساتھ مذاق،ٹھٹھہ اور استہزا اور بے توقیری کی حدیں پار کرجائیں کوئی آپ کو پوچھنے والا نہیں...اللہ کے سامنے ایسی بھی کیاسینہ زوری؟!اُس کی ذات سے ایسی بھی کیا بغاوت؟!اُس کے آگے ایسی بھی کیاجرأت؟!اُس سے ایسی بھی کیابے خوفی؟!

اے جہاں مٹھا،تے اگلا کیں ڈٹھا،وَمَایُھْلِکُنَآاِلَّاالدَّھْرُ،بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست اور”کھالے پی لے جی لے“کو مقصدِ زندگی بنانے والے ایمان والے تونہیں ہوتے...یہ توخالص کفار کی نشانی بتائی گئی ہے کہ... مسلمان اور مومن ایساتونہیں ہوتا...وہ توہمہ وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے عجزونیاز کانمونہ،اُس کے احکامات کے سامنے سرِتسلیم خم کیے ہوئے ہوتاہے اوراس کے بعد بھی وَّ قُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اُن کے قلوب اللہ کے خوف اورڈر سے کانپ رہے ہوتے ہیں کہ نجانے قبر،حشر،نشر،وضعِ میزان اورپُلِ صراط جیسے خوف ناک اور بھیانک مراحل میں اُس کے ساتھ کیاہوگا!وہ تواپنے گھروں میں بھی بند ہوں توڈرتے رہتے ہیں اور”یومِ عظیم“کاخوف اُن کی نیندیں یوں اُڑائے رکھتاہے کہ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ”ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر والوں کے درمیان بھی سہمے ہوئے رہتے تھے“۔

اے مسلمانانِ پاکستان!یہ کڑوی کسیلی باتیں،دراصل ایسی حقیقتیں ہیں جن سے کل ہمیں لازماًواسطہ پیش آناہے...قبر کی تاریکیوں میں کس نے داخل نہیں ہونا؟کون ہے کہ جو جرأت کرکے کہہ سکے کہ اُسے اللہ کے حضور پیش نہیں ہونا؟دنیا کی رنگینیاں،آسائشیں،کشائشیں،بناوٹیں،یہ تمام ایجادات اور لہوولعب کے سامان،اپنے رب سے بغاوت پر آمادہ کرنے والے اسبابِ راحت وعیش...سب کچھ ہی توعارضی ہے!ادھر قبر کے کناروں تک جسدِ خاکی پہنچے گا اور خاک میں مل کر ساری دنیا کی راحتیں خاک ہوجائیں گی!پھر دفترِ عمل میں موجود ایک ایک عمل کے بارے میں وہ حساب لے گا!وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ

سطورِ بالا میں جن "بیماریوں" کا ذکر ہوا، اصل میں تو وہ بیماریاں نہیں بلکہ علاماتِ مرض ہیں! اِن علامات کو دیکھ اور جانچ کر ہی مرض کی شدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے... اصل مرض اس ملک میں قائم نظام اور اس نظام کو سنبھالنے والے، اس کی حفاظت کرنے والے اور اس کو چلانے والے ہیں! قرارِ داد مقاصد کے ایک ٹکڑے کو بنیاد بنا کر پچھلے اے سالوں سے ملکِ پاکستان میں "اسلام کے جھنڈے" گاڑے جارہے ہیں لیکن حقیقت میں یہ اسلام کا محض لیبل ہے اور اسی لیبل کی آڑ میں اللہ تعالیٰ سے ہر طرح کی بغاوت کو اس ملک میں روا رکھا گیا ہے... یہی نظام ہے جو فساق وفجار کو اللہ کے سامنے جری اور نڈر بناتا ہے... یہی ہے جو اُنہیں مالک الملک کے مقابلے میں منہ زوری سکھاتا ہے... یہی ہے جو "میرا الملک، میری مرضی" سے لے کر "میرا جسم، میری مرضی" تک کے تمام مراحل اپنی سرکردگی میں طے کرواتا ہے... یہی ہے جو سابق بالخیرات کی خصوصیات والوں اور سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ کی پکار پر لبیک کہنے والوں اور نیکیوں بھلائیوں کی طرف لپکنے والوں کو تہہ تیغ کرتا ہے، اُن کے راستے ہر طرح سے مسدود کرتا ہے اور اُن کے مقابلے میں سابقوا الی الشہ والفتنه والبغی اور سابقوا الی سخط ربکم والنار [اعاذنااللہ منهم] کی دوڑ میں شریک 'اشرار کو معاشرے میں اعلیٰ اور نمایاں ترین مقامات دیتا ہے!

یہی سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اس کی محافظ افواج اور لشکر ہیں جو اس سرزمین پر سات عشروں سے غیر اللہ کا نظام نافذ کیے ہوئے ہیں... اسی نظام کے تحت پورے ملک کا عدالتی نظام 'اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ وارفع قانون کو پس پشت ڈال کر کافروں کے وضع کردہ قوانین کی بنیاد پر چلایا جارہا ہے... اسی نظام کے زیرِ سایہ سود جیسی لعنت اور اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلی جنگ کی بنیاد پر پوری ملکی معیشت کو چلایا جارہا ہے... اسی نظام کی نحوستیں ہیں کہ نصابِ تعلیم اور نظام تعلیم بھی ایسا وضع کیا گیا ہے جس کے ذریعے نسلِ نو کی تربیت ہی اس انداز سے جارہی ہے کہ اُن کے ذہن وفکر میں اسلام اور دین کے خلاف تشکیک وابہام کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں... اسی نظام کے کرتا دھرتا پچھلی دو دہائیوں سے جاری اسلام اور صلیب کی جنگ میں عالمی کفر اور آئمۃ الکفر کے صف اول کے اتحادی ہیں اور اس "اعزاز" پر سینہ اکڑا کر فخر کرتے پائے جاتے ہیں! یہی نظام ہے جو معاشرے میں بے دینی، فحاشی، عریانی اور جنسی ہیجان کر فروغ دے رہا ہے... اسی نظام نے یہاں کے مسلمانوں کو مجبور کر رکھا ہے کہ وہ "رب چاہی زندگی" کی بجائے اللہ سے بے خوفی اور "من چاہی زندگی" کے حصول میں دن رات مگن رہیں اور یوں ہی اپنی زندگیاں اللہ سے دوری اور بغاوت کی بنیاد پر گزار کر آخرت کے دائمی خسائر کا شکار ہوتے رہیں!

اللہ تعالیٰ 'جن بستیوں پر اپنا عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرمالیتے ہیں اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قانون سورہ بنی اسرائیل میں بیان ہوا ہے۔ اس آیت کو دل کی آنکھوں سے ہر پاکستانی مسلمان پڑھے، اپنے حالات کو دیکھے اور جانچے... اگر انصاف پسندی اور خوف خدا سے کام لیا جائے تو اپنے حالات دیکھتے ہوئے یقیناً اس آیت کی مفصل تشریح اور اس کے تفسیری حاشیوں کو دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ سب کچھ کھلے اور بیّن طور پر سامنے آجاتا ہے، فرمایا:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (آیت:۱۶)

"اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش) پر مامور کر دیا، تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے، پھر اس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا"۔

لہٰذا اے اہلِ پاکستان! اگر دنیا و آخرت میں اپنی اور اپنی نسلوں کی فلاح و بھلائی چاہتے ہیں تو اس کے لیے معاشرے کے ایک ایک فرد پر لازم ہے کہ وہ ذاتی اور اجتماعی سطح پر اللہ تعالیٰ کے آگے سپر ڈال دے... اُس ذات کے مقابل آکر نہ پہلے کوئی اُسے عاجز کرسکا ہے اور نہ ہی آئندہ اُس ذاتِ ذوالجلال والاکرام کو عاجز کر پانے کی کسی میں ہمت اور طاقت ہے!

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (العنکبوت:۲۲)

"اور تم (اسکو) نہ زمین میں عاجز کرسکتے ہو اور نہ آسمان میں اور نہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار"

اور اگر اللہ سے مقابلہ کرنے والوں کے ہاتھ میں ہی اپنی باگ دوڑ دینی ہے تو اللہ تعالیٰ غنی عن العالمین ہے... نہ اُس نے اپنے باغیوں کی پہلے کبھی کچھ پرواہ کی اور نہ ہی آئندہ وہ اپنے نافرمانوں کو پرواہ کرنے والا ہے!

اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ (ابراہیم:۸)

"اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو خدا بھی بے نیاز (اور) قابل تعریف ہے"۔

اور سورہ طٰہٰ میں فرمایا:

وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى Oقَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًاOقَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (طٰہٰ:۱۲۴۔۱۲۶)

"اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا کہ ایسا ہی (چاہئے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تُو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج ہم تجھ کو بھلا دیں گے"۔

پس اے مسلمانانِ پاکستان! دنیا و آخرت کی عافیت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مان لیجیے! اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مان لیجیے! اُس کے دین و شریعت کو اپنی زندگیوں کو مدار و محور بنا لیجیے! اُس کے باغیوں کی انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر بغاوت اور اُن کی سرکوبی کے لیے نکلئے! اپنی انفرادی و ذاتی زندگی کے ہر ہر گوشے سے لے کر معاشرتی، سماجی، اجتماعی اور ریاستی سطح کے تمام دائروں کو اللہ کے رنگ میں رنگ دیجیے...صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً... اُس کی رحمتوں کے طلب گار بن جایئے، اُس سے بغاوتیں اور سرکشیاں روا رکھنے والوں کو اپنے سروں پر مسلط نہ رہنے دیجیے اور اللہ کا دین اپنی زندگیوں اور معاشرے میں قائم کر کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیجیے کہ ابھی وقت ہے! کل وقت نہیں ہو گا اور ہم میں سے ہر ایک تمنا کرے گا کہ کاش! اللہ کے فرامین کا پاس رکھا ہوتا اور اُس کی نافرمانیوں کے راستوں سے پلٹ آئے ہوتے! لیکن اُس وقت اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے کلام تک نہ فرمائیں گے اور اُن سے کہہ دیا جائے گا کہ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى!!!

اے اہلِ پاکستان! رمضان المبارک کی آمد آمد ہے! اس میں اپنے رب کو منا لیجیے! یقین جانیں وہ ہم سے ناراض ہے! ہمارا پالنہار اور کریم و رحیم رب ہمارے اعمال اور دین سے روگردانیوں کے سبب خفا ہے اور یہ بھی یقین کیجیے کہ اُسے منانا چنداں مشکل کام نہیں ہے! بس اجتماعی طور پر توبۃ النصوحۃ، خالص اور پکی توبہ! ہر فرد اُس کے آگے تضرع، زاری اور گڑگڑا کر اُس کے رحم و فضل کی بھیک مانگے، اُس کے کرم کا سوال کرے، اپنے احوال درست کرنے کی سعی کرے اور خاندان اور معاشرے میں ہر سطح پر اُس کے دین کے نفاذ کا پختہ عہد کرے تو وہ عطاؤں والا ہے، بخششوں والا ہے، مغفرتوں والا ہے، خزانوں والا ہے، فضل واحسان والا ہے، جود و سخا والا ہے اور وہی ہے جس کے در سے یہ سب ملے گا، اُس کا در چھوڑ بیٹھے تو آج ہم میں سے ہر چھوٹے بڑے اور عام و خاص کی زندگی مَعِيْشَةً ضَنْكًا بن کر رہ گئی ہے اور خدانخواستہ اسی ڈگر پر رہے تو روزِ قیامت یہ دہائیاں دینی پڑیں گی کہ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ نے کیسی خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ "انتہائی خراب حالت کسی بندہ کی ہو تو اس کی منتہائے تباہی اور منتہائے تخریب کو اللہ تعالیٰ کے ارادۂ تعمیر کا نقطۂ آغاز کافی ہے"۔

ایک ولی اللہ کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ بازار میں غمگین اور دل گرفتہ بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے دریافت کیا کہ حضرت یوں غم زدہ کیوں بیٹھے ہیں؟ کہا کہ اللہ اور بندوں کے درمیان صلح کروا رہا ہوں...پوچھا کہ پھر نتیجہ کیا ہے؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ تو مان رہے ہیں لیکن اُس کے بندے نہیں مان رہے...چند ہی دنوں بعد یہی بزرگ قبرستان میں اُسی طرح دُکھی اور افسردہ بیٹھے تھے...پوچھنے والے نے پھر پوچھا کہ حضرت یہاں کیوں دُکھی بیٹھے ہیں؟ کہا کہ اللہ اور بندوں کے درمیان صلح کروا رہا ہوں...پوچھا کہ پھر نتیجہ کیا ہے؟ کہا کہ بندے تو مان رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں مان رہے!!!

سو ابھی اللہ کو منانے کا وقت ہے! اپنے رب سے صلح کر لیجیے...رمضانِ کریم کی صورت میں اس صلح کے لیے نادر اور قیمتی موقع بھی آیا ہی چاہتا ہے! اس موقع کو غنیمت جانئے اور رب کو منا لیجیے اور اُس کے حضور اپنے تمام گناہ رکھ کر بے بسی اور عجز و نیاز اختیار کر کے بس یہی فریاد کریں کہ یا اللہ!

لا ملجأ ولا منجا منك إلا إليك

نہ تو تیرے علاوہ کہیں اور پناہ ہے اور نہ ہی کہیں بھاگ کر جانے کی جگہ مگر تیری طرف

☆☆☆☆☆

کچھ بھی تو 'دینِ محمد' کا تمھیں پاس نہیں!!!

مصعب ابراہیم

۲۷مئی ۲۰۱۷ء کو اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد میں ہونے والی ایک کانفرنس 'صدرِ پاکستان ممنون حسین کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں ملک بھر کے ۳۱علما نے 'جہادِ پاکستان' کے خلاف "متفقہ فتویٰ" جاری کیا۔ اس صورت حال میں مذکورہ ذیل تحریر مجلہ نوائے افغان جہاد میں جون ۲۰۱۷ء کو شائع ہوئی۔ اب ۱۶جنوری ۲۰۱۸ء کو بھی پیغامِ پاکستان" کے نام سے ایک "متفقہ فتویٰ" جاری ہوا ہے... شہر اسلام آباد ہی تھا، منتظم ادارہ بھی "اسلامی یونی ورسٹی" تھا لیکن اب کی بار اکتیس کی بجائے ۱۸۲۹ علماو مفتیان کو ہانک کر اکٹھا کیا گیا اور ایوانِ صدر میں اس "فتویٰ" کی تقریبِ رونمائی ہوئی۔ اسی مناسبت سے جون ۲۰۱۷ء ہی میں شائع ہونے والی تحریر دوبارہ شاملِ اشاعت کی جارہی ہے۔ "اسلامی ریاست" کے گُن گانے والے اگر شریعتِ مطہرہ کے احکامات و تعلیمات کی روشنی میں ان واضح حقائق کو جھٹلا سکیں تو "پیغامِ پاکستان" پر کچھ مزید معروضات پیش کی جاسکتی ہیں۔ [ادارہ]

جس طرح ایک فرد کلمہ 'توحید پڑھ کر اسلام کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالتا ہے، پھر اگر اُس سے جانے انجانے میں، جان بوجھ کر یا غلطی سے کوئی ایسا قول یا عمل سرزد ہو جائے جو فقہائے کرام کے تواتر و تسلسل سے بیان کردہ 'نواقضِ اسلام' میں شمار ہوتا ہو تو اُسے توبہ کی تلقین کی جاتی ہے، نواقضِ اسلام کے ارتکاب کے مضمرات وعواقب سے آگاہ کیا جاتا ہے، ان کے بھیانک نتائج سامنے رکھے جاتے ہیں... اس سب کو دیکھ کر وہ شخص صورت حال کی سنگینی کو سمجھتا اور معاملے کی حساسیت کا قائل ہو کر اپنے قول و فعل پر نادم و شرم سار ہوتا ہے اور ایمان کی تجدید کرتا ہے تو اُسے دائرہ اسلام ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر وہ اپنے قول و فعل پر مُصر رہے، اُس کے لیے دلائل اور حجتیں لائے، صریح کفر کے ارتکاب کے بعد بھی شرمساری و ندامت کی بجائے ہٹ دھرمی و ڈھٹائی کے ساتھ خلافِ شریعت امور پر اَڑا رہے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ وہ اپنا شمار ارتداد کو گلے لگانے والوں میں کروانا چاہتا ہے!

یہ معاملہ فردِ واحد سے لے کر پورے معاشرے، سوسائٹی اور ریاست تک محیط ہے! جو قانون اور اصول فردِ واحد پر لاگو ہو گا، اُسی کا اطلاق ریاست پر بھی ہو گا کہ ریاستی نظام اگر کبھی "ملکی مفادات" کے نام پر اور کبھی کسی آمر اور حکمران کی ذاتی پسند کے پیشِ نظر 'دین اور شریعت کی حدود و قیود سے باہر نکل کر کوئی بھی فیصلہ کرے گا، قدم اٹھائے گا یا پالیسی وضع کرے گا تو اس پالیسی اور فیصلہ سے رجوع کرنے کی بجائے اُس پر اصرار کرنے کے نتیجہ میں اُس کا حکم بھی لامحالہ یہی ہو گا کہ اُس نے منتضیات دین سے روگردانی اور ضروریاتِ دین کا انکار کر کے اپنے لیے دین سے الگ راستہ چُن لیا ہے۔ لہٰذا اُس ریاستی نظام کو صرف اس وجہ سے اسلامی تصور کرنا کہ اُس نے "قراردادِ مقاصد" کی صورت میں کلمہ پڑھ رکھا ہے، کسی صورت بھی دین و شریعت سے لگا نہیں کھاتا!

علمائے دربارو سرکار کی خدمت میں!

اس تمہید کو ذہن میں رکھیے اور پھر ۲۷مئی ۲۰۱۷ء کو اسلام آباد میں صدرِ پاکستان ممنون حسین کی صدارت میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں ۳۱علما کی طرف سے جاری فتویٰ کو دیکھیے، جس میں پاکستان کو اسلامی ریاست گردانتے ہوئے موجودہ تحریک جہاد کا رد کیا گیا، جہاد کو ریاست کی ذمہ داری ٹھہرایا گیا اور مجاہدین کو باغی قرار دے کر اُن کے خلاف ہمہ قسمی کارروائیوں کی حمایت کا اعلان کیا گیا۔ باقی تمام مباحث کو کسی اور کے لیے اٹھا رکھ کر یہاں ہم ریاست پاکستان کی "اسلامیت" کے چند "مظاہر" کا ذکر کر کے علمائے کرام سے صورتِ احوال دریافت کرنے کی جسارت کریں گے کہ بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ ریاست "کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئی"... تو ریاست کا یہ اسلام ایسا اٹل، پائیدار، معصم اور "ایلفی زدہ" ہے کہ احکاماتِ شریعت کے خلاف ہر طرح کی بغاوت کرنے کے باوجود بھی اُس پر کوئی حرف نہ آئے گا اور وہ بہر صورت مسلمان ہی گردانا جائے گا؟!

قانون کس کا نافذ ہے؟ اللہ کا غیر اللہ کا؟!

تقسیم ہند کے نتیجے میں پاکستان ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا اور اس کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد قرارداد مقاصد کی شکل میں اسے "کلمہ پڑھایا" گیا۔ سات دہائیاں بیت جانے کے بعد بھی اس زمین پر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ جب یہاں احکاماتِ شریعت کا نفاذ ہوا ہو! اس پر بات کی جائے تو سارا نزلہ حکمرانوں کی ذات پر گرا کر یہاں قائم نظام کو صاف بچا لیا جاتا ہے۔ کیا علمائے کرام بتائیں گے کہ جس نظام کے تحت ستر سالوں میں بھی شریعت کے نفاذ کا خواب، محض خواب ہی رہے اُس کو محض فتاویٰ کے زور پر کیونکر اسلامی باور کروایا جاسکتا ہے؟!

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں دعویٰ ایمانی کے باوجود اپنے باہمی تنازعات میں غیر اللہ کو حَکَم بنانے والوں کا ذکر کرتے ہوئے آیت نازل فرمائی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ کا طاغوت سے فیصلہ کرائیں حالانکہ

ان کو طاغوت سے انکار کا حکم دیا گیا تھا اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر راستے سے دور ڈال دے"۔

تحکیم بغیر ما انزل اللہ ہی کے موضوع پر اسی سورت میں فرمایا گیا:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

"سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر لیں"۔

ان آیات کی روشنی میں پاکستان میں قائم نظام کو کیا نام دیا جائے گا؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس ملک میں عدالتی نظام کی بنیاد تھامس بربنگٹن میکالے کے وضع کردہ قوانین "تعزیرات ہند" ہی پر بعینہٖ (چند ایک ترمیمات کے ساتھ) قائم ہے، تعزیرات ہند کو انگریز سرکار نے ۱۸۶۰ء میں پورے ہندوستان میں رائج کیا تھا، اور ۱۹۴۷ء میں سے پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے اسے نظام پاکستان میں "عدل وانصاف" کی بنیاد بنا کر "تعزیرات پاکستان" کا نام دے کر منظور کر لیا!

احکاماتِ شریعت سے اعراض اور دیدہ دلیری سے غیر اللہ کے وضع کردہ قوانین کے نفاذ کے نتیجے میں آج پاکستانی نظامِ "عدل" کے مارے ہوئے مسلمانوں کی حالت زار دیکھنی ہو تو کورٹ کچہری کا ایک آدھ چکر ہی اس کے لیے کافی ہے۔ ججوں اور وکلا کی بدمعاشیوں اور حرام خوریوں، پیچ در پیچ پیدا کی گئی قانونی پیچیدگیوں، پولیس اور انتظامیہ کی اٹھائی گیر فطرت اور عدالتی و سرکاری عملہ کی غنڈہ گردیوں میں پستی اور رُلتی مظلوم عوام کا کون پُرسانِ حال ہے؟

نسل در نسل مقدمات چلتے ہیں، ججوں اور وکیلوں کی باہمی ملی بھگت سے تاریخوں پر تاریخیں دینے کا رواج عام ہے، قانونی موشگافیوں اور حیلے بہانوں سے مقدمات کو طول دینا عام سی بات ہے، کمزور اور بے بس آدمی کی کوئی شنوائی نہیں جب کہ طاقت ور اور مال دار آدمی انصاف کو جب چاہے خرید سکتا ہے، جھوٹی گواہیوں اور من پسند فیصلوں کا حصول امیر اور بااثر افراد کے لیے کچھ مشکل نہیں! جب کہ غریب ولاچار سائلین کی زندگیاں ہی عدالتی سیڑھیوں اور کچہری کے برآمدوں میں رُلتے رُلتے بیت جاتی ہیں!

آئے روز یہ واقعات رونما ہوتے ہیں کہ کوئی بے گناہ مظلوم اپنی عمر کے بہترین دن جیل میں گزار کر جب تک اگلے جہاں سدھار چکا ہوتا ہے تب جا کر اُس پر قائم مقدمہ قتل میں پچیس سال بعد فیصلہ ہوتا ہے کہ "نامزد ملزم کو بے گناہ قرار دیا جاتا ہے!"... کیا "اسلامی ریاست" میں عدل و انصاف اس خستہ حالی کا شکار ہوتے ہیں؟ اور کیا "اسلامی نظام" ایسا ہوتا ہے کہ جس کے تحت انگریزی قانون کا نفاذ ہو اور اُس کے زہرناک اثرات سے بلبلاتے عوام کی اشک شوئی کرنے والا بھی کوئی نہ ہو؟! اس "اسلامی نظام عدل" کی حقیقت جاننے کے لیے دیگ کا ایک چاول پیش خدمت ہے!

۷ دسمبر ۲۰۱۷ء کو چنیوٹ کی رہائشی رانی بی بی کو اٹھارہ سال جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنے کے بعد انصاف مل گیا۔ لاہور ہائی کورٹ نے رانی بی بی کو شوہر کے قتل کے الزام سے باعزت بری کر کے رہائی کا حکم دے دیا۔ رانی بی بی کے ساتھ قتل کیس میں سزا کاٹنے والا اس کا والد محمد امیر جیل میں ہی انتقال کر گیا تھا۔ انیس سو اٹھانوے میں رانی بی بی کے شوہر اصغر کے قتل پر مقتول کے بھائی نے رانی بی بی، اس کے والد، والدہ، بھائی اور کزن کو ملزم نامزد کیا تھا۔ رانی بی بی پر بیتنے والے کڑے احوال اُسی کی زبانی سنئے اور اس ظالمانہ اور سفاکانہ نظام کو "اسلامی ریاست" ہونے کا سرٹیفکیٹ دینے والوں کی دیدہ دلیری کو داد دیجیے!

"میں کہتی رہی کہ ہم بے قصور ہیں لیکن نہ تو قانون کو کوئی فرق پڑا، نہ جج نے کچھ سنا۔ جیل میں آئے تو اپیل کی درخواست کے لیے پولیس والے سے چار سو روپے مانگے۔ ہم اتنے مجبور اور غریب تھے کہ یہ چار سو روپے بھی نہ تھے۔ یوں محض چار سو روپے نہ ہونے کے باعث مجھے ۱۹ سال سلاخوں کے پیچھے گزارنا پڑے۔ یہ ۱۹۹۸ء کا واقعہ ہے جب رانی بی بی پر ان کے شوہر کو قتل کرنے کا الزام لگا۔ ان کے والد، والدہ، بھائی اور کزن کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ پھر عدالت نے اس خاندان کو عمر قید کی سزا سنا دی۔

رانی بی بی پنجاب کے شہر چنیوٹ کے قریب ایک گاؤں میں کرائے کے مکان میں رہتی ہیں۔ گرفتاری کے وقت ان کی عمر تقریباً ۱۵ سال تھی۔ میرے والا پر بہت تشدد کیا گیا، پھر پانچ سال بعد وہ جیل میں مر گئے، میرا بھائی جوانی میں جیل گیا اور اب بوڑھا اور بیمار ہو کر نکلا ہے۔ قتل کے الزام میں سالوں قید رہنے کے بعد ہائی کورٹ نے رانی بی بی کو ناکافی ثبوت اور ناقص شواہد کی بنیاد پر باعزت بری کر دیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میری زندگی، میرا خاندان برباد کر دیا، آج کہتے ہیں کہ عدالت نے باعزت بری کیا ہے۔ اس ملک کی حکومت، یہاں کی عدالتیں اور پولیس، کوئی بھی میرے ساتھ نہ تھا"۔

منکرینِ ختم نبوت اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاتمین "اسلامی" ریاست میں!

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھلم کھلا 'شرک فی الحکم' کرنے والے مجرم نظام کو "اسلامی پہناوے" پہنا لیں لیکن یہ نہ اللہ کے ساتھ شرک سے باز رہنے والا ہے نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت و توہین کی سرپرستی سے پیچھے رہنے والا ہے۔ وردی والوں کے خلاف سوشل میڈیا پر ہلکی مہم نما چیز چلی تو اس میں ملوث تمام لوگ دھر لیے گئے، چاہے اُن کا تعلق کسی

بھی سیاسی جماعت سے تھا، کوئی رعایت نہیں کی گئی... جب اسی سوشل میڈیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کی ذاتِ اقدس پر جن شیطانوں کے رکیک حملے کیے، اُنہیں پاکستان ہی کے ''اسلامی'' خفیہ اداروں نے چند دن اپنے پاس مہمان رکھنے کے بعد بحفاظت ملک سے فرار کروادیا۔

اس ''اسلامی'' ریاست میں ایک ملحد اور گستاخ گورنر کو قتل کرنے والے ممتاز قادری کی سزائے موت پر تو دنوں میں عمل درآمد کیا جاتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والی آسیہ مسیح کو سزائے موت کا حکم سنائے جانے کے باوجود اپنی حفاظت میں 'پالا پوسا' جارہا ہے۔ اس سے قبل گستاخ رمشا مسیح کو یہی ''اسلامی ریاست'' اور اس کی ''اسلامی'' فوج' امریکی فضائیہ کے ہیلی کاپٹر میں بحفاظت فرار کرواچکی ہے! یہی پر بس نہیں بلکہ اس ''اسلامی'' فوج کا بدبخت ترجمان تو صلیبی آقاؤں کی گود میں بیٹھ کر ''چارلی ایبڈو'' جیسے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین گستاخوں سے ہمدردی جتاتا رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس مبارک تک اپنے پلید ہاتھ لے جانے والے صلیبیوں کو قتل کرنے والے کواشی برادران رحمہااللہ کی مبارک کارروائی سے متعلق بکواس کرتا رہا۔ آپ کو یاد نہیں کہ اس موقع پر ''ایمان تقویٰ جہاد'' والی فوج کے ترجمان عاصم باجوہ نے کیا کہا تھا؟ ۷ جنوری ۲۰۱۵ء کو پیرس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو عاشقوں نے گستاخوں کو خون میں نہلایا اور ۲۰ جنوری ۲۰۱۵ء کو عاصم باجوہ نے برطانیہ میں بیٹھ کر سی این این کو انٹرویو دیا اور کہا:

> ''دنیا میں کہیں بھی سو فی صد تحفظ کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، جس کی مثال پیرس واقعہ ہے، دہشت گرد کبھی بھی، کہیں بھی اور کسی بھی وقت حملہ کرسکتے ہیں''۔

۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قراردادِ مقاصد کی صورت میں ریاست کو ''کلمہ'' پڑھایا گیا... پھر یہی ''اسلامی'' ریاست تھی کہ جس کا وزیر خارجہ ظفر اللہ خان جیسا منکرِ ختم نبوت اور ملعون مرزا قادیانی کا کٹر پیروکار تھا۔ ظفر اللہ خان ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء تک وزیر خارجہ رہا۔ اور پوری دنیا میں ''اسلامی'' ریاست کی نمائندگی کرتا ہے... اسی قادیانی قبیلہ کی ایما اور ہلہ شیری پر پاکستان کی ''اسلامی'' فوج نے ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کے ہزاروں پروانوں اور مجاہدوں کو لاہور میں شہید کیا۔

پھر اس ''اسلامی'' ریاست میں پورے ۲۵ سال تک قادیانی ''قانونی مسلمان'' جانے جاتے رہے۔ ۱۹۷۳ء میں کڑوا گھونٹ پی کر قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں منکرینِ ختمِ نبوت کو کافر سمجھنے اور قرار دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل اور اسوہ' نعوذ باللہ کیوں ناکافی سمجھا گیا اور جب تک ''قانونی و آئینی'' تقاضے پورے نہ کیے گئے اُس وقت تک آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کی تکفیر بھی نہ کی گئی!!!

قادیانیوں کو کافر قرار دینے کا معاملہ صرف اتنا ہی ہے کہ آئین و قانون نے اُنہیں دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا ہے۔ باقی یہ منکرین ختم نبوت ''اسلامی'' ریاست کے برابر کے شہری ہیں، ان کے جماعت خانے آباد ہیں، ''فلاح و بہبود'' کی آڑ میں ان کی تبلیغی سرگرمیاں جاری ہیں، ملک کے سرکردہ عہدوں، بیوروکریسی، فوج و اسٹیبلشمنٹ اور دیگر اداروں میں ان کے مضبوط نیٹ ورک قائم ہیں۔ ''اسلامی'' ملک کی معروف عصری درس گاہوں کے ڈیپارٹمنٹس کے نام عبد السلام قادیانی سے منسوب کیے جارہے ہیں۔ اور اب تو ان کی ہمدردی اور غم خواری میں غوامد اور سیکولر عناصر مل کر شور ڈالنے اور پروپیگنڈے کے ذریعے اِنہیں پاکستان کی ''مظلوم ترین کمیونٹی'' ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں!

اسلام اور دین کی تو بنیاد ہی خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے اقرار پر ہے! فقہائے کرام کا منکرینِ ختم نبوت کے ارتداد پر اجماع ہے... پھر کیا اسلامی ریاست میں منکرینِ ختمِ نبوت' جن کے ارتداد و زندیقیت پر چودہ صدیوں میں امت میں کوئی اختلاف نہیں رہا' وہ اس ''حسنِ سلوک'' سے نوازے جاتے ہیں؟! کیا اس حساس اور نازک ایمانی معاملہ میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسوہ اپنانا اسلامی ریاست کا فرض اولین نہیں کہ منکرین ختم نبوت کے خلاف کھلا اعلانِ جنگ کرکے اُنہیں بُری طرح سے قتل کیا جائے اور اس فتنہ کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے اُنہیں بالکل تہہ تیغ کردیا جائے؟!

اسی طرح کیا ''اسلامی'' ریاست یہ بھی کرسکتی ہے کہ ایک جھوٹے داعی نبوت، کذاب یوسف' جسے پاکستانی قانون نے بھی جھوٹے دعویٰ نبوت کا مجرم قرار دیا' کے خلیفہ اور اُس کی اپنی زبان میں ''میرے صحابی'' ملعون زید حامد کو ''اسلامی'' فوج کا غیر رسمی ترجمان مقرر کیا جائے؟! اور یہ ملعون زید حامد باقاعدہ طور پر ''اسلامی'' فوج کے پے رول پر کام کر رہا ہے اور اسے معاشرے میں اپنا زہر پھیلانے کے لیے ہر قسم کی آزادی، فوج کی سرپرستی اور میڈیا کی بے لگام حمایت حاصل ہے! اس سب کچھ کا تصور ''اسلامی'' ریاست میں کیا جاسکتا ہے؟

سودی معیشت اور اہلِ ایمان کا استحصال:

''اسلامی'' ریاست کے معاشی نظام کو دیکھیں تو سرمایہ کاروں، جاگیرداروں، ساہوکاروں، وڈیروں اور صنعت کاروں نے پوری معیشت کو اپنی یرغمال بنایا ہوا ہے۔ سود جیسی لعنت' جسے اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صریح جنگ کے مترادف قرار دیا' علما کی بیان کردہ ''ریاستِ اسلامی'' کی معاشی عمارت کو سہارا دیے ہوئے ہے! آئین میں سود کو ختم کرنے کی شق شامل کرکے، اسلامی نظریاتی کونسل اور شریعت کورٹ

کی طرف سے سود کے خلاف فیصلے صادر کر کے "اسلام کا بول بالا" کیا گیا لیکن سپریم کورٹ آف پاکستان نے اس سارے "بول بالے" کے خلاف حکم امتناعی جاری کر کے دھڑلے سے اللہ اور اُس کے رسول کے خلاف بر سر جنگ رہنے کے خدائی چیلنج کو قبول کر رکھا ہے! کیا ایسے میں بھی "ریاست کے اسلام" کو ہلکی سی گزند نہیں پہنچتی؟!

پاکستان کی نصف آبادی کے قریب آبادی خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے اور بقیہ آبادی کا بیشتر حصہ "لوئر مڈل کلاس" سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ تمام آبادی زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہے، صحت کی سہولتیں ناپید ہیں، ایک متوسط گھرانے کا ہر فرد آٹھ سے بارہ گھنٹے مسلسل کام کرتا ہے پھر بھی معاشی اخراجات تنگی ترشی سے ہی پورے ہوتے ہیں۔ غریب 'کولہو کے بیل کی طرح دن رات محنت کر کے اس قابل بھی نہیں ہو پاتا کہ شام کو اپنے بچوں کے پیٹ میں اتنے لقمے ڈال سکے جو اُنہیں دن بھر کے فاقے کے نڈھال پن سے کچھ افاقہ دلا سکیں، مفلوک الحال عوام کے پاس بے چارگی اور مفلسی کی داستانوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، سسک سسک کر مرنے سے بہتر جو راستہ نکالا جاتا ہے اُس سے متعلق آئے روز اخبارات کی "دو کالمی" خبریں سامنے آتی رہتی ہیں کہ "فاقوں سے تنگ ماں نے بچوں سمیت نہر میں کود کر خودکشی کر لی، بھوک سے بلکتے بچوں کو زہر دے کر باپ نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا"... ایک جانب تھر میں قحط سے مرتے اور پیاس سے تڑپتے جان دیتے خزاں رسیدہ سوکھے پتوں کی مانند بچے ہیں ... دوسری جانب حکمران، جرنیل، سیاست دان، بیوروکریٹ، جاگیر دار، سرمایہ دار اور طبقہ اشرافیہ کی موج مستیاں عروج پر ہیں...

جرنیل، سیاست دان، بیوروکریٹ اور تمام مترفین اربوں کھربوں روپے کی کرپشن کر کے "اسلامی آئین و قانون" سے مکمل ریلیف پاتے ہیں ... ڈی ایچ اے سوسائٹیوں سے بحریہ ٹاؤن تک، پانامہ سے سرے محل تک، جاتی عمرہ سے بنی گالا تک آسودگیاں ہیں اور قوم کے مال پر عیاشیوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ ہے... اِن حرام خوروں کے ہاں چہار اطراف شادیانے بجتے اور خوشیوں کی برسات ہے اور اُن فاقہ کشوں کے ہاں دُکھوں کی ایسی سوغات کہ بوڑھے ماں باپ سے لے کر کم سن بچوں اور شیر خوار نونہالوں تک کسی کو فاقوں نے مار دیا اور کسی کو علاج معالجے سے محرومی نے بیماریوں کی قبر کی دیواروں سے لگا رکھا ہے... کیا یہ بدترین استحصالی نظام "اسلامی" کہلائے گا کہ جس کے تحت مسلمان سات دہائیوں سے اُسی طرح پس رہے ہیں جیسے چکی کے دو پاٹوں میں گیہوں پستا ہے؟!

الحاد و لادینی پھیلاتا تعلیمی نظام:

سر سید کا محبوب اور میکالے ہی کا بنایا گیا تعلیمی نظام پورے پاکستان میں رائج ہے اور اُس کے ایمان کُش اثرات معاشرے میں جابجا پھلتے اور پنپتے نظر آتے ہیں۔ الحاد و لادینیت کی نرسریوں کی حیثیت اختیار کرنے والے ان اداروں کو ریاستی سرپرستی حاصل ہے!

نوجوانوں کو حبِ دنیا کا اسیر بنانے، اُن میں دین بے زاری کی خُو کو پروان چڑھانے، توحید، نبوت محمدی اور معاد جیسے اساسی عقائد بارے اُن کے ذہنوں کو تشکیک و شبہات سے بھر دینے، ملحدین کی ایک پوری نسل تیار کرنے اور جنسی آوارگی کو "کلچر" بنانے کے علاوہ اس پورے نظامِ تعلیم کا اور کیا مقصد ہے؟ یہی وجہ ہے کہ عصری تعلیمی ادارے "اُس بازار" کا منظر پیش کر رہے ہیں اور یہاں سے دلال و چھنال کھیپ در کھیپ تیار ہو کر نکل رہے ہیں! یہ سب کچھ "اسلامی ریاست" کی ناک نیچے ہو رہا ہے بلکہ اُس کی سرپرستی و نگرانی میں یہ تمام خباثتیں پروان چڑھ رہی ہیں!

"اسلامی" ریاست کے ذرائع ابلاغ:

میڈیا کو "اسلامی ریاست" ہی نے پوری طرح آزادی دے کر شعائرِ دینی کے خلاف مہمات چلانے اور مسلمہ احکاماتِ دین کی نت نئی تعبیرات کو عام کرنے کی اجازت بھی دی ہے اور اُنہیں اسلام تعلیمات سے صریح بغاوت کے باوجود ہر طرح کا تحفظ بھی دے رکھا ہے۔ معاشرے میں فحاشی و عریانی پھیلانے والوں کے متعلق قرآن مجید تو دردناک عذاب کی وعیدیں سنائے اور ایک "اسلامی ریاست" ہے کہ اِنہیں تمام طرح سے حفاظتی حصار فراہم کرے!

"اسلامی" ریاست، لشکرِ صلیب کی صفِ اول!

آئینی، قانونی، نظریاتی، تعلیمی، اقتصادی، معاشی اور معاشرتی طور پر ہر طرح سے شریعت سے بغاوت کرنے پر بھی جب ریاست کے "اسلام" پر کوئی گزند نہیں آئی تو نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ کفار کے ساتھ مل کر لاکھوں مسلمانوں کا خون بہانے پر بھی ریاست کا "اسلام" سالم کا سالم ہی رہا! ستم یہ کہ کفار کے ساتھ صرف ملے نہیں بلکہ صف اول کے اتحادی بنے اور تاحال ہیں! یہ بھی نہیں کہ "دل میں برا جان کر" کفار کی معاونت کی ہو بلکہ پوری شرح صدر کے ساتھ یہ بھیانک جرائم کیے اور فخر سے خود کو non nato ally اور front line state بتا کر دنیا بھر میں سینہ پھُلاتے پھرتے ہیں!

کامل سولہ سال تک افغان مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے والی ایک ایک گولی اور تمام گولہ بارود "اسلامی ریاست" کی زمینوں کو روندتا ہوا اور فضاؤں سے ہوتا ہوا افغانستان میں موجود امریکی فوجی اڈوں تک پہنچتا رہا۔ صرف حرب و ضرب کا سامان ہی کیا، امریکی فوجیوں کے لیے ہر طرح کا رسد بشمول شراب، خنزیر اور پیمپروں کے... افغانستان پہنچانا "اسلامی ریاست" ہی کی ذمہ داری رہی!!!

مالاکنڈ ڈویژن اور آزاد قبائل میں گزشتہ دس سالوں میں جو قیامتیں گزر گئیں اور وہاں کی مساجد، مدارس، بستیوں، بازاروں، شفاخانوں اور آبادیوں کو صلیبیوں کی "فرنٹ لائن اتحادی" لیکن مکمل "اسلامی" فوج نے صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کے لیے لاکھوں ٹن آہن، آتش و بارود پھونک ڈالا... لیکن مجال ہے کہ یہاں "اسلام" پر کوئی ہلکی سی آنچ بھی آئی ہو!

بہن عافیہ صدیقی اور ہزاروں عرب وعجم کے گہر پاروں کو کفار کے ہاتھ بیچ کر ڈالر کھرے کیے گئے، لیکن مذکورہ بالا اکتیس علما میں سے کسی کے لب نہ ہلے کہ ظالمو!''اسلامی ریاست''ہونے کا کچھ تو پاس ولحاظ رکھ لو! جامعہ حفصہ سے لے کر اخروٹ آباد تک مسلمانوں بہنوں کے چیتھڑے اڑا دیے گئے لیکن یہ علما خاموشی کی چادر اوڑھے رہے کہ ریاست کا ''اسلام''تو بہر حال محفوظ ہی ہے!!!

ہم کچھ بھی کہیں اُس پر جذباتیت کی مہر لگا کر ''اسلامی ریاست''کو برحق ثابت کرنے کے لیے نو نو من وزنی ''علمائے میٹھاپان''پوری ''پاکستان علما کونسل''نامی پلٹون سمیت آ دھمکتے ہیں! ذرا گھر کے فرد کی زبان سے سن لیجیے! پہلے وانا آپریشن میں شریک ہونے والا سابق کور کمانڈر راولپنڈی لیفٹیننٹ جنرل جمشید گلزار کیانی بھی ریٹائرمنٹ کے بعد یہی رونا روتے روتے مر گیا اور پرویز ملعون کے قریبی ساتھی سابق چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز نے بھی اپنی کتاب ''یہ خاموشی کہاں تک؟''میں ان جرائم کو قبول کیا ہے! جنرل شاہد ہی کے الفاظ پڑھ لیجیے!!![5]

> ''افغانستان کے اندر امریکہ کے قتل وغارت میں ہم کھل کر شامل ہیں اور اُن کے ساتھی ہونے پر ناز ہے۔ اللہ نے قرآن میں کہا ہے: اگر تم کافروں کا کہا مان لوگے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں پر پھیر دیں گے، پھر تم بڑے خسارے میں پڑ جاؤ گے''۔ یہ وہ مشہور یوٹرن ہے جو ہم نے فخر سے اس صدی کے آغاز میں لیا اور آج بھی اسی کے گیت گاتے ہیں۔ اور کتنے ہی منہ یہ راگ الاپتے نہیں تھکتے کہ یہ جنگ ہماری بقا کی ہے۔ اپنی ہی بقا کے لیے خودکشی؟! نہیں نہیں، خودکشی نہیں، ہم اپنے بچے نئے خداؤں کے قدموں میں بھینٹ چڑھاتے ہیں''... ''جو لڑتے ہیں، ان ہی کے ظلم سے مجبور ہو کر اٹھتے ہیں، پھر انہیں دہشت گرد کہتے ہیں۔ اس ہی لیے ان کے دانشور کہتے ہیں کہ دہشت گردی کی بنیادی وجوہات پر بحث غیر ضروری اور نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ اس سے دہشت گردی کو فروغ ملتا ہے۔ دہشت گردی کو دہشت گردی سے ہی ختم کیا جائے، اس پر بات کرنا اسے ہوا دینا ہے۔ جو جہاد کی بات کرے اُس کا منہ بند کرنا لازم ہے۔ اور آج ان نئے خداؤں کا کہنا ہے کہ ہتھیار اٹھانے والوں پر اس کی قیمت اتنی بڑھائی جائے کہ ان کی برداشت سے باہر ہو۔ اُن پر ہماری دہشت قائم ہو جائے''... ''دہشت گردی کا موضوع پاکستان کے قبائلی علاقوں سے شروع کرکے، کراچی کے ساحل تک محدود کر دیا گیا ہے۔ ان (میڈیا والوں) کو حکم ہے کہ اس کا تعلق ہماری حکومت کے افغانستان میں قتل وغارت مں ملوث ہونے سے نہ جوڑا جائے۔ نہ ہی افغان مسلمانوں کی قابل ستائش جدوجہد کا ذکر کیا جائے۔ نہ ہی افغانستان اور FATA میں ہونے والی قتل وغارت دکھائی جائے... بس جب کوئی بڑی خبر ہوتی ہے، جو چھپا نہیں سکتے تو تھوڑا سا دکھا دیتے ہیں، سرخرو ہونے کے لیے۔ افغان مجاہدین کو بھی دہشت گرد ہی کہتے ہیں تاکہ انہیں بھی کُوڑے کے رنگ میں رنگ دیں۔ امریکہ کی اس جنگ کو حق پرستی کہا جاتا ہے اور دہشت گردی کو پاکستان کی سالمیت کے لیے سنگین خطرہ، تاکہ یہ جنگ ہماری جنگ کہلائے اور اس میں ہر قسم کا ظلم جائز قرار پائے''... ''یہ سب صرف اس لیے کہ ہم امریکہ کے ساتھ ہو کر افغانستان پر اُس کے غاصبانہ قبضے کی امداد میں ہزاروں مسلمانوں کے قتل میں شامل رہیں، اور اپنے اس گھناؤنے کام پر فخر کر سکیں۔ اور قوم کو اس دھوکے میں رکھیں کہ اللہ اس پر راضی ہے، یہی سیدھی راہ ہے۔ پھر قوم کو روزمرہ کے اتنے مسائل میں الجھائے رکھا کہ امریکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے قتل و غارت کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہ ملے''... ''پھر ایک اسلامی مملکت کو امریکہ کے ہاتھوں بکتے دیکھا ''قومی مفاد کی خاطر''اور آہستہ آہستہ ایک طاقت ور حکمران کو چھُپ چھُپ کر، ٹکڑوں میں سوئی ہوئی قوم کی آزادی کا سودا کرتے دیکھا، لال مسجد میں انسانوں کو جلتے دیکھا''... ''کرائے کے عالمو! اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر فروخت نہ کرو۔ جب گھنٹہ بھر ٹی وی پر بیٹھ کر دین کے نام پر دہشت گردی کے خلاف منطقیں جھاڑتے ہو تو یہ کہنا کیوں بھول جاتے ہو کہ ہم اللہ کے تمام احکامات کے خلاف افغانستان میں کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں، جس کے نتیجے میں ہمارے ملک میں آج آگ لگی ہے؟ ہم ہی دہشت گرد ہیں''۔
>
> [یہ خاموشی کہاں تک؟ ص ۴۲۱، ۴۰۰، ۳۹۸، ۳۸۹، ۳۸۷، ۳۸۶، ۳۸۲]

---

5 یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہ تمام جرنلز ان جرائم میں خود بلاواسطہ شریک رہے ہیں۔ اب اگر یہ اپنے جرائم قبول کرتے ہیں تو بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ فوج کو بحیثیت ادارہ صاف بچا نکالا جائے اور تمام ملبہ کسی جنرل یا فردِ واحد پر ڈال کر اُسے ہی اول وآخر مجرم باور کروایا جائے۔ حالانکہ دین وملت سے ہر طرح کی خیانت میں اور کفار کا آلہ کار بننے میں فوج بحیثیت ادارہ ہی ذمہ دار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرف کے سر سارا الزام دھرنے والے قصداً اس حقیقت سے اعراض کرتے پائے جاتے ہیں کہ مشرف کے جانے کے بعد پوری فوج اُنہیں کرتوتوں اور جرائم میں ملوث رہی ہے بلکہ آئے روز اس کی خباثتیں بڑھتی ہی چلی جا رہی ہیں! لہٰذا جنرل شاہد جیسے گھر کے بھیدی کے تمام انکشافات و اعترافات کو صدق وھو کذاب کے تناظر میں ہی دیکھنا چاہیے!

اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَن سَبِيلِهِ کا مصداق نہ بنیں!

دینی تعلیمات اور شریعت کے واضح احکامات سے کھلی بغاوتوں کو دکھانے کے لیے یہ تو 'دیگ کے چند چاولوں' کے طور پر چند ایک شعبہ ہائے زندگی سے کچھ مثالیں پیش کیں ہیں وگرنہ نظام پاکستان اوراس کے رکھوالوں نے تو ''اسلامی'' کا نقاب چہروں پر لگا کر اس سرزمین کو ظلم وفساد سے بھرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور دین وشریعت کی دشمنی میں کسی بدترین کافر کو بھی اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا!

قیامِ پاکستان کے وقت یقینی طور پر برصغیر کے مسلمانوں نے لاکھوں کی تعداد میں جانیں وار کر تاریخی قربانیوں کی داستانیں رقم کیں، یہ قربانیاں صرف اور صرف دین اور شریعت کے لیے دی گئیں! لیکن ان قربانیوں سے خیانت اور غدر کی جو روش اس ''اسلامی'' نظام اور اس کے محافظوں نے اپنائی ہے اُس کی مثال شاید ہی کہیں اور مل سکے! اسی لیے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ بھی ان خائنین کا اصل چہرہ پہچان لینے کے بعد آخری عمر میں تاسف، ملال اور رنج کی تصویر بنے اگلے جہاں سدھار گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ!

اے علمائے کرام! اسے آپ کی سادگی سمجھا جائے یا حقائق سے چشم پوشی... آپ اُس ریاست کو ''جہاد کا فریضہ سونپ'' رہے ہیں جو اللہ سے بغاوت پر اِتراتی اور کفار کی غلامی و چاکری پر نازاں ہے! اللہ تعالیٰ نے تو اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داریاں یہ بیان کی ہیں:

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ (الحج:۴۱)

''وہ لوگ کہ جنہیں ہم زمین پر اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں، نظامِ زکوٰۃ رائج کریں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں''۔

جب کہ یہاں صورت حال یہ ہے کہ جس ریاست کے ذمہ جہاد کو لگایا جارہا ہے وہ نظام صلوٰۃ وزکوٰۃ کیا نافذ کرے گی، اس کے قیام سے آج تک اس کے حکمرانوں اور محافظ جرنیلوں تک میں کوئی ایک آدھ ہی پابندِ صلوٰۃ آیا ہوگا، وگرنہ ننانوے فی صد حکمران تو تارکینِ صلوٰۃ و زکوٰۃ اورزنیم وبدکار ہی گزرے ہیں... ان کے کندھوں پر ''دین کی کوہان'' کا بوجھ لاد دینا... اسے کیا کہا جائے؟ اِن کا ''جہاد'' تو وہی ہے جو یہ گزشتہ سولہ سال سے امریکی طاغوت کی سرکردگی میں کررہے ہیں! پھر کیا یہ ہے ''اسلامی'' ریاست جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ کماحقہ انجام دے رہی ہے؟! یہ تو ہر منکر کی محافظ اورپشت پناہ ہے! اس نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والوں کے ساتھ جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں جو کچھ کیا اور جس طرح سفید فاسفورس اُنہیں جلا کر راکھ کردیا، کیا یہ ریاست ''جہاد'' کرے گی؟!

اے علمائے کرام! چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اس نظام کے ''اسلام'' پر صدقے واری جانے کی بجائے اس کے صریح طاغوت ہونے کو کھلم کھلا بیان کرتے لیکن ظاہر ہے درباری وابستگیوں اور خصوصاً جی ایچ کیو سے قربتوں کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، جنہیں آپ خوب نبھا رہے ہیں!

لیکن حق بھی اپنے تقاضے رکھتا ہے! جنہیں نبھانے کے لیے شہید اسلام مولانا یوسف لدھیانوی سے لے کر مولانا عبد اللہ غازی تک، مفتی نظام الدین شامزئی سے لے کر مولانا نصیب خان تک، مولانا سلطان غنی عارف سے لے کر مولانا ولی اللہ کابل گرامی تک، مولانا امین اورکزئی سے لے کر مولانا ولی الرحمن تک اور مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار سے لے کر مولانا عبد الرشید غازی تک (رحمہم اللہ علیہم اجمعین، رحمۃ واسعۃ) کا کردار اپنانا پڑتا ہے!

حق کی یہی امتیازی شان ہے کہ علمائے حق 'طواغیتِ عصر کے سامنے کورنش بجا لانے اوراُن کے ''اسلام'' کو بہر صورت ثابت وسالم رکھنے واسطے دین کا بیوپار نہیں کرتے بلکہ یا تو حمایت ونصرتِ حق کی پاداش میں قبروں میں جا اترتے ہیں یا زندانوں کو آباد رکھتے ہیں! اور بلاشک وریب آخرت کی کمائی سے جھولیاں بھرنے والے یہی ''کفر بالطاغوت'' کا فریضہ ادا کرنے والے ہیں! باقی تو پیچھے وھن اور الھکم التکاثر کے سوا بچتا ہی کیا ہے؟!

☆☆☆☆☆

''میری رائے میں؛ واللہ اعلم آج تارک قتال فی سبیل اللہ اور تارک نماز و روزہ میں کوئی فرق نہیں۔

میری رائے میں دعوت دین؛ تصنیف وتالیف یا دینی تربیت میں مشغولیت کو نہ تو ترک جہاد کا بہانہ بنایا جاسکتا ہے؛ نہ ہی اللہ کی پکڑ سے بچانے کا ذریعہ۔

میری رائے میں آج زمین پر بسنے والے ہر مسلمان کی گردن میں ترک قتال فی سبیل اللہ کا طوق ہے؛

ہر مسلمان کے کندھے پر بندوق چھوڑنے کا طوق کے گناہ کا بوجھ ہے۔

بلا شبہ جو مسلمان بھی اس حال میں جان دے رہا ہے کہ اس کے ہاتھ بندوق سے؛ بغیر کسی شرعی عذر کے خالی ہیں تو وہ ایسے حالات میں قتال کو ترک کر بیٹھا ہے جب معذروں کے سوا دنیا کے ہر مسلمان پر قتال فرض عین ہو چکا ہے اور فرض اسی حکم کو کہا جاتا ہے جسے پورا کرنے پر ثواب اور ترک کرنے پر گناہ یا حساب کا سامنا کرنا پڑے''۔

[امام الجہاد ڈاکٹر عبد اللہ عزام شہید رحمہ اللہ کی وصیت سے اقتباس]

ریاست مرے گی یا نہیں؟

عبد الوحید مراد

لاپتہ افراد کا مسئلہ پاکستانی خفیہ اداروں کی انسانیت دشمنی سمجھنے کے لیے بہت کافی ہے۔ عبد الوحید مراد ایک نجی ٹی وی میں رپورٹر ہیں اور اسلام آباد میں سپریم کورٹ میں ہونے والے مختلف سیاسی، سماجی اور فوجداری مقدمات کی رپورٹنگ کرتے ہیں۔ موصوف کے دیگر افکار و خیالات سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ سپریم کورٹ میں لاپتہ افراد کے مقدمات سے متعلق ہونے والی سماعتوں میں سے چند ایک کا احوال سناتے ہیں۔ ججوں کے ڈائیلاگ اور لاپتہ افراد کے لواحقین کی حالت زار اِس طاغوتی نظام کے سامنے ''عدل'' کی بے بسی ظاہر کر رہے ہیں۔ اور ''عدل'' بے بس کیوں نہ ہو کہ یہ بھی تو اسی طاغوتی نظام ہی کا ایک اہم ستون ہے۔ اس نظامِ بد کا دوسرا اہم ستون 'پارلیمان' ہے۔ اُس کے احوال بھی قوم کے سامنے ہیں کہ سینٹ کا چیئر مین بھی فوج اور خفیہ اداروں کے بارے میں کھل کر بات کرتے ہوئے جھجکتا اور جان کی امان پا کر کہتا ہوا پایا جاتا ہے کہ ''مجھے بھی لاپتہ کر دیں گے''۔ اس نظام کے سارے ہی ''ستون'' اپنی ہی ''چھت'' کے وزن سے کانپ رہے ہیں۔ سو یہ ''چھت'' مزید کتنی دیر ظلم، گھٹن اور کفر کا بوجھ اپنے 'خاکی کندھوں' پر اٹھا سکتی ہے؟ باذن اللہ بہت قریب ہے کہ جب یہ نظامِ بد اور اس کے محافظوں پشتی بانوں کی دراز رسی 'اللہ پاک ایک ہی جھٹکے سے کھینچ ڈالیں گے، ان شاء اللہ۔ [ادارہ]

لاپتہ افراد کا مقدمہ سننا، اور اسے رپورٹ کرنا بھی ایک مشکل کام ہے کیونکہ ججوں سمیت سب بے بس ہوتے ہیں، صرف لیکچر ہوتا ہے یا ریمارکس دیے جاتے ہیں۔

جسٹس اعجاز افضل کی سربراہی میں جسٹس دوست محمد خان اور جسٹس اعجاز الاحسن پر مشتمل تین رکنی بنچ نے لاپتہ افراد کے مقدمے کی سماعت کا آغاز کیا تو عدالت کے روسٹرم پر آمنہ مسعود جنجوعہ اور وکیل کرنل ریٹائرڈ انعام لاپتہ افراد کی جانب سے موجود تھے جب کہ ڈپٹی اٹارنی جنرل ساجد الیاس، پختون خوا، پنجاب کے سرکاری وکیل اور لاپتہ افراد کمیشن کے رجسٹرار بھی کھڑے تھے۔

عدالت کی جانب سے پوچھا گیا کہ لاپتہ تاسف ملک سے حراستی مرکز میں اہل خانہ کی ملاقات کرانے کا حکم دیا تھا کیا ہوا؟۔ سرکاری وکیل نے بتایا کہ ملاقات کرا دی گئی ہے۔ تاسف ملک کے سسر نے عدالت کو بتایا کہ صرف تین منٹ کی ملاقات کرائی گئی اور اس میں بھی چار گارڈز گنیں تانے کھڑے تھے، ہماری گفتگو بھی ٹیپ کی جا رہی تھی، تاسف نے کہا کہ عدالت بلائے گی تو تب ہی کچھ بتا پاؤں گا۔ وکیل کرنل انعام نے کہا کہ تین سال بعد تین منٹ کی ملاقات کرائی گئی۔

جسٹس دوست محمد خان نے کہا کہ یہ نازک معاملہ ہے، جب ہائیکورٹ میں تھا تب آئی ایس آئی اور ایم آئی کے نمائندوں کی مرضی سے طے کیا گیا تھا کہ حراستی مراکز میں قیدیوں کی اہل خانہ سے ملاقات کے لیے طریقہ کار کیا ہو گا، احتیاطی تدابیر ضروری ہیں مگر ملاقات سہولت کے ساتھ کرائی جائے۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ ہم جاننا چاہیں گے کہ کس قانون کے تحت کس جرم میں زیر حراست ہے؟ ایڈیشنل اٹارنی جنرل سے اس بارے میں رپورٹ بھی مانگی ہے۔ جسٹس دوست محمد نے کہا کہ متعلقہ حکام سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر بھارتی جاسوس کو اہل خانہ سے ملاقات کے لیے سہولت فراہم کی جا سکتی ہے تو یہی سہولت اپنے شہریوں کے لیے کیوں فراہم نہیں کی جا سکتی؟ وکیل کرنل انعام نے کہا کہ تاسف ملک کے کیس میں عدالت کو بتایا گیا تھا کہ ایک میجر کا ٹرائل ہو رہا ہے اس کی پیش رفت رپورٹ طلب کی جانی چاہیے۔

عدالت نے دوسرے لاپتہ عادل خان کے مقدمے میں سرکاری وکیل سے پیش رفت کا دریافت کیا تو بتایا گیا کہ چودہ نومبر دو ہزار آٹھ کو پشاور ہائیکورٹ نے حکم دیا تھا جس پر انکوائری میں معلوم ہوا کہ صرف لاپتہ ہے اور کسی پر کوئی الزام عائد نہیں کیا گیا، تمام ایجنسیوں کو دوبارہ لکھا گیا ہے جواب کا انتظار ہے۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ اب ایسی صورتحال میں کیا کریں؟ آمنہ مسعود جنجوعہ نے کہا کہ یہ ان سرکاری وکیلوں کا معمول ہے، لاپتہ افراد کمیشن بھی ایسے ہی کام کر رہا ہے، سات سال ہو گئے عادل خان کے مقدمے کو بھی۔ پورے ملک میں لاپتہ افراد کے ورثا قطاروں میں لگے ہوئے ہیں، کمیشن میں سات ماہ بھی ایک کیس کی باری آتی ہے، انصاف دینے کا کمیشن کا یہ تیس سالہ منصوبہ ہے۔ لوگ اذیت کا شکار ہیں ان کے مسئلے حل کرنے کا یہ طریقہ نہیں۔

عدالت میں لاپتہ مدثر اقبال کے مقدمے کا نمبر پکارا گیا تو جسٹس دوست محمد نے سرکاری وکیلوں سے پوچھا کہ جے آئی ٹی اور دیگر کی رپورٹس میں تضاد کیوں ہے؟ دونوں کو آمنے سامنے بٹھا کر پوچھا کیوں نہیں گیا کہ کون سچ بول رہا ہے اور کون جھوٹ؟ آمنہ مسعود نے عدالت کو بتایا کہ اقوام متحدہ کے جبری لاپتہ کیے گئے کمیشن کی رپورٹ کے مطابق مدثر اقبال کسی خفیہ ادارے کے سیل میں ہے۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ مدثر اقبال کے حوالے سے رپورٹ دی جا چکی ہے اور خفیہ ایجنسیاں اس کی موجودگی سے لاعلمی ظاہر کر چکی ہیں۔ جسٹس دوست نے کہا کہ عدالت میں جمع کرائی گئی رپورٹ جوڈیشل ریکارڈ بن چکی ہے، کل کو اگر مدثر اقبال کا فوجی عدالت میں ٹرائل کر کے سزا دی گئی تو سپریم کورٹ کا ریکارڈ خلاف جائے گا اور بات کھل جائے گی کہ غیر قانونی طور پر حراست میں رکھا گیا اور عدالت سے جھوٹ بولا گیا۔ جسٹس دوست محمد نے کہا کہ سوات میں آپریشن کے بعد اڑھائی تین ہزار

افراد کو کسی دوسری جگہ حراست میں رکھا گیا، ہائیکورٹ نے کہا تھا کہ ان افراد کو چھوڑ دیں یا پولیس کے حوالے کر دیں۔ وکیل کرنل انعام بولے کہ قوم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حراستی مراکز میں کتنے افراد ہیں، کل بیالیس مراکز ہیں۔ سرکاری وکیل ساجد الیاس نے فوراردعمل ظاہر کرتے ہوئے کرنل انعام کو بتایا کہ کل ایک ہزار چار سو گیارہ افراد حراستی مراکز میں ہیں اور اس کی رپورٹ دی جاچکی ہے۔

جسٹس اعجاز افضل نے پوچھا کہ حراستی مراکز میں قید افراد کا ٹرائل کیوں نہیں کیا جاتا؟ سرکاری وکیل بولے کہ اخبار میں خبر آئی ہے کہ کچھ مقدمات فوجی عدالت میں ٹرائل کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ جسٹس دوست محمد نے کہا کہ وفاقی حکومت کا وکیل بھی اخبار کی خبروں سے بتا رہا ہے، عدالت کو رپورٹ میں بتانا چاہیے۔ جسٹس دوست محمد نے کہا کہ آئین کی سبز کتاب کا احترام ہی نہیں، اس کو نصاب میں بڑی کلاسوں کے لیے شامل کرنا چاہیے، اگر کسی نے جرم کیا ہے تو قانون کے مطابق سزا دیں، سالہا سال سے سوات اور قبائلی علاقوں میں لوگ حراست میں ہیں، آئین میں لکھا ہے کہ گرفتار شخص کو چوبیس گھنٹے کے اندر مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا، برسوں سے حراست میں رکھنا غیر آئینی اور غیر قانونی ہے۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی کو غیر معینہ عرصے کے لیے زیر حراست نہیں رکھا جاسکتا۔ وکیل کرنل انعام نے کہا کہ یہ تو عام شہری ہیں، گروپ کیپٹن کو سروس کے دوران ٹارچر کر کے مار دیا گیا ہے۔ جسٹس دوست محمد نے کہا کہ بدقسمتی یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی ساکھ کو کھویا ہے، ایجنسی والے عدالت کے سامنے سچ نہیں بولتے، ہم بھی نہیں چاہتے کہ کسی مجرم کو معاشرے میں کھلا چھوڑ دیں۔

جسٹس اعجاز الاحسن نے کہا کہ لاپتہ افراد کے بارے میں معلومات ہیں اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی ثبوت۔ سرکاری وکیل ساجد الیاس بولے کہ ان میں سے کچھ افغانستان میں ہیں۔ جسٹس دوست نے کہا کہ افغانستان کی بات رہنے دیں یہ بتائیں کہ آپ کے پاس معلومات کیا ہیں اور ثبوت کہاں ہیں؟ فراہم کر دیں تو ہم معاملہ نمٹا دیں گے۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ کمیشن نے وقت مانگا ہے چھ ہفتے میں معلومات دے دیں گے۔

عدالت میں سفید داڑھی والا ایک عمر رسیدہ شخص کھڑا ہوا، پشتو میں کچھ بولنے لگا تو آمنہ مسعود نے کہا کہ یہ لاپتہ خیر الرحمان کا والد ہے، آج ان کا مقدمہ نہیں لگا، گزشتہ ساعت پر کارروائی مکمل نہیں ہوئی تھی اس لیے یہ آج بھی آئے ہیں۔ جسٹس اعجاز افضل نے انگریزی میں کہا کہ (ہز ویری پریزنس ان دا کورٹ از سپائن چلنگ فار اس) اس بزرگ کی عدالت میں موجودگی ہی ہمارے رونگٹے کھڑے کر دیتی ہے۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ آئی ایس آئی اور ایم آئی کی رپورٹ بھی دی تھی، آئی بی نے بھی کہا ہے کہ شدت پسندوں سے رابطے تھے۔ آمنہ مسعود نے کہا کہ خیر الرحمان کو لے کر جانے والا پولیس ایس ایچ او ارشد آج تک قبل از گرفتاری ضمانت پر ہے، عرصہ ہو گیا اس کے خلاف مقدمہ درج ہوا تھا مگر آج تک تفتیش نہیں ہو سکی کہ اس نے خیر الرحمان کو کس کے حوالے کیا؟ اس دوران بزرگ شخص روسٹرم پر بولنے کی کوشش کرتا رہا تو وکیل نے کندھے پر ہاتھ کر دلاسا دیا اور خاموش رہنے کے لیے کہا۔ بزرگ شخص نے روسٹرم کو چھوڑا، عدالت میں کرسیوں پر بیٹھے پنجاب پولیس کے اہلکاروں کے پاس گیا اور ایس ایچ او ارشد کے بارے میں پشتو میں پوچھتا رہا۔ (حالانکہ کیس پختون خوا کا ہے)۔ پولیس والوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو بزرگ شخص واپس روسٹرم پر آیا اور آمنہ مسعود جنجوعہ کو کچھ بتانے کی کوشش کرنے لگا۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ ہمیں یہ مقدمہ یاد ہے۔ عدالت میں معاوضہ کی بات کی گئی تو وکیل کرنل انعام نے کہا کہ یہ ریاست کے خلاف جرم ہے معاوضے کی بات کیسے کی جاسکتی ہے۔

آمنہ مسعود نے بتایا کہ عدالتی حکم کے باوجود سپریم کورٹ میں پیش کی جانے والی لاپتہ افراد کمیشن کی رپورٹ ہمیں نہیں ملتی، پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کیا لکھ کر لائے ہیں، رپورٹ فراہم کی جائے تاکہ متاثرین کی مدد کرتے ہوئے ان کو آگاہ کر سکوں۔ (عدالت کے باہر خیر الرحمان کے بزرگ والد نے میرے پوچھنے پر پشتو میں بتایا کہ اس کے بیٹے کو حراست میں لینے والے ایس ایچ او ارشد نے گھر آکر بیس لاکھ دینے کی پیش کش کی تھی مگر میں نے انکار کر دیا، میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں مگر اپنے بیٹے کا گوشت بیچ کر پوتوں کو نہیں کھلا سکتا)۔

سرکاری وکیل ساجد الیاس نے کہا کہ ہر بار نئی رپورٹ ہوتی ہے، اگر یہ کیس مکمل ہو گیا تب بھی یہ عدالت آئیں گے۔ آمنہ مسعود نے وکیل کے طنز کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر سو سال لگیں گے تب بھی ان کو ہر بار رپورٹ دینا ہوگی، اور جب تک آخری لاپتہ شخص کا معلوم نہیں ہوتا عدالت میں کھڑی رہوں گی۔ جسٹس اعجاز افضل نے ریمارکس دیے کہ عدالتوں کو اصل حقائق نہ بتانے کے پیچھے چھپی منطق سمجھ نہیں آتی۔

جسٹس دوست محمد نے کہا کہ جب پشاور ہائیکورٹ میں تھا تو ایک لاپتہ شخص کا مقدمہ آیا، خفیہ اداروں نے رپورٹ دی کہ ہمارے پاس نہیں۔ اگلے ہفتے اس لاپتہ نے سنتری سے بندوق چھینی اور فائر کر دیا، اس کی رپورٹ متعلقہ تھانے میں درج کرا کے اس کی حراست کو قانونی بنانے کی کوشش کی تو ہائیکورٹ نے ایکشن لیا اور کیپٹن کے کورٹ مارشل کی سفارش کی بات کی تو وہ ہل گیا۔ ہم نہیں چاہتے کہ موجودہ حالات میں ایسی کوئی بات ہو۔ ایک شخص کو لاپتہ کر کے ڈیڑھ سو افراد کو اپنا دشمن بنا دیا جاتا ہے کیونکہ غائب کئے جانے والے کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ وکیل کرنل انعام نے کہا کہ ایک سو سے زائد لاپتہ افراد حراست میں مر چکے ہیں۔

عدالت میں ایک بزرگ خاتون کھڑی ہوئی اور کہا کہ جج صاحب، میرے بیٹے فیصل فراز کا پتہ لگائیں، بارہ سال گزر گئے۔ آمنہ مسعود نے عدالت کو بتایا کہ فیصل فراز اور میرے شوہر مسعود ایک ہی دن لاپتہ ہوئے تھے، فیصل فراز لاہور میں انجینئر تھے، کمیشن نے چار

سال قبل یہ معاملہ نمٹا دیا ہے۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا ہم یہ کیس ختم نہیں کر رہے، اس طرح نہیں چھوڑ سکتے۔ جسٹس دوست محمد نے کہا کہ وفاقی حکومت کے وکیل عدالت کو بتا رہے ہیں کہ ریاست میں ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں حکومت نہیں جا سکتی اور ہماری پہنچ سے دور ہیں۔

بزرگ خاتون نے کہا کہ مجھے ذرا بولنے دیں۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ آپ ایک گھنٹہ بولیں آپ کو سنیں گے۔ بزرگ خاتون بولیں کہ میں اب کیا کہہ سکتی ہوں، یادداشت ختم ہو رہی ہے، اکلوتا بیٹا تھا، اور کتنا جھیلوں گی۔ بارہ سال سے کچھ نہیں ہو سکا، مجھے میرا بیٹا چاہیے، یہ ریاست نہیں مرے گی مگر ہم نے مر جانا ہے، اب وقت کم ہے۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ ریاست وہی رہتی ہے جہاں ایک شخص کا مرنا پوری ریاست کے مرنے کے برابر ہو، ریاست کے لیے ہم نے بھی یہی کہنا ہے۔ بزرگ خاتون نے کہا کہ نہیں، یہ نہیں مانتے، انہوں نے نہیں مرنا۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ یہ قرآن کا حکم ہے (پھر ایک انسان کے مارے جانے کو پوری انسانیت کے قتل کے برابر قرار دینے والی آیت پڑھی)۔ یہ ہم نہیں کہتے اللہ کا حکم ہے، یہ ہو گا ان شاء اللہ۔

عدالت میں لاپتہ گل محیط خان کے کیس کا نمبر پکارا گیا تو سرکاری وکیل نے بتایا کہ وارث کمیشن کے سامنے بھی پیش نہیں ہوتے، ہو سکتا کہ وہ واپس آ گیا ہو۔ عدالت میں آواز گونجی کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے وارثوں نے امید چھوڑ دی ہو۔ عدالت نے کمیشن کو ہدایت کی کہ چھ ہفتے میں رپورٹ دی جائے۔ سماعت جنوری کی نو تاریخ تک ملتوی کر دی گئی۔

... ...

غائبستان کی سپریم کورٹ:

ایک ماہ بعد مقدمے کی سماعت ہوتی ہے، سیکڑوں لاپتہ میں سے چھ کے کیس سننے کی باری ہوتی ہے۔ بہت سے لاپتہ افراد کے لواحقین ویسے ہی کسی امید میں عدالت پہنچ جاتے ہیں۔ آمنہ مسعود جنجوعہ کے ساتھ چار خواتین جن میں تین عمر رسیدہ مائیں تھیں جب کہ کچھ بوڑھے شہری صبح نو بجے سپریم کورٹ پہنچے۔ جسٹس اعجاز افضل کی سربراہی میں تین رکنی بنچ کے سامنے بیٹھے رہے اور دن ڈیڑھ بجے مقدمے کی باری اس وقت آئی جب دیگر تمام کیس سن لیے گئے۔ لاپتہ افراد مقدمے کے آغاز میں ایک بزرگ نے عدالت کو بتایا کہ میرے داماد تاسف ملک سے عدالتی حکم کے مطابق ملاقات نہیں کرائی گئی صرف چند منٹ کے لیے دکھایا گیا، آج عدالت نے میری درخواست کو سماعت کے لیے مقرر نہیں کیا، ایسا کیوں ہوا؟ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ آئندہ سماعت پر مقرر کر دی جائے گی، آپ تشریف رکھیں۔ ہم نے واضح کیا ہے کہ حراستی مراکز میں موجود ہر شخص کے بارے میں معلوم کریں گے، پوچھا ہے کہ الزام سامنے لایا جائے اور عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

لاپتہ مدثر اقبال کے بارے میں عدالت کو لاپتہ افراد کمیشن کے سیکرٹری نے بتایا کہ ایجنسیوں سے چھ ہفتے میں رپورٹ مانگی اور لاپتہ کو پیش کرنے کے لیے کہا ہے۔ آمنہ مسعود نے عدالت کو بتایا کہ مدثر اقبال کی والدہ کو کمیشن نے پیش ہونے کے لیے نوٹس جاری کیا ہے وہ معذور ہیں، عدالت ہدایت کرے کہ ان کی جگہ میں پیش ہوں۔ سیکرٹری کمیشن نے مخالفت کرتے ہوئے کہ وہاں ہر کسی کو آنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ تاہم سپریم کورٹ نے ہدایت جاری کی کہ آمنہ مسعود لاپتہ مدثر اقبال کی جانب سے کمیشن کے سامنے پیش ہوں گی۔

لاپتہ نوید الرحمان کے بارے میں کمیشن کے سیکرٹری نے بتایا کہ اس کو پیش کرنے کے حکم کے اجرا کے بعد جب نہ لایا گیا تو کمیشن نے وزارت داخلہ کو ہدایت کی کہ جن افراد نے اس کے گھر پر چھاپہ مار کر حراست میں لیا تھا ان کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے۔ عدالت کے پوچھنے پر بتایا گیا کہ ابھی تک معلوم نہیں کہ کارروائی ہوئی یا نہیں۔ کمیشن کے سیکرٹری نے بتایا کہ اس دوران نوید الرحمان کے اہل خانہ کی جانب سے ایک اور درخواست آئی کہ معاملے کو دوبارہ کھولا جائے اور ہمیں معاوضہ ادا کیا جائے۔ عدالت کے پوچھنے پر ڈپٹی اٹارنی جنرل ساجد الیاس نے بتایا کہ کمیشن نے وفاقی حکومت کو اس پر نوٹس جاری کیا ہے، ابھی تک جواب نہیں آیا، دیکھ رہے ہیں کہ کیا یہ ہماری پالیسی کے مطابق ہے یا نہیں۔ عدالت نے ڈپٹی اٹارنی کو ہدایت کی کہ ایک ہفتے میں واضح جواب دیا جائے۔

اس کے بعد آمنہ مسعود جنجوعہ کے شوہر کے مقدمے کی باری آئی تو ڈپٹی اٹارنی جنرل نے عدالت میں سربمہر لفافے میں وزارت دفاع کی جانب سے میمورنڈم پیش کیا، بتایا گیا کہ یہ آئی ایس آئی اور ایم آئی کا جواب ہے، اس کو سامنے نہ لایا جائے۔ آمنہ مسعود نے کہا کہ یہ رپورٹ مجھے بھی دی جائے، کیا پڑھ کر جواب دینے کی اجازت دی جائے گی؟ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ ہم ایسے نہیں ہٹیں گے، جو کچھ بھی کر سکے کریں گے، رپورٹ میں سے بین السطور پڑھتے ہیں۔ ڈپٹی اٹارنی نے کہا کہ یہ رپورٹ مسعود جنجوعہ اور ان کے ساتھ لاپتہ ہونے والے فیصل فراز کے بارے میں ہے اسی دوران لاپتہ فیصل فراز کی والدہ عدالت میں بولیں کہ اس رپورٹ میں کیا ہے بتائیں۔ جسٹس اعجاز الاحسن نے کہا کہ بی بی! انہوں نے رپورٹ فائل کی ہے۔ ماں پھر بولی کہ یہ ہزار دفعہ رپورٹ دے چکے ہیں، بارہ سال سے ایسا کر رہے ہیں، وقت گزاری کے لیے ہے۔ ڈپٹی اٹارنی جنرل ساجد الیاس نے کہا کہ یہ لوگ اس لیول پر یہ کر رہے ہیں۔ ماں بولی کہ لیول کیا ہے بیٹا، مجھے بتائیں ذرا۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ ایسا نہیں ہے۔

لاپتہ عبدالرحمان کے مقدمے میں عدالت کو بتایا گیا کہ یہ دو ہزار گیارہ میں غائب ہوا تھا، گزشتہ سال کمیشن سے رجوع کیا گیا، اس کے خلاف فیصل آباد میں مقدمہ درج ہے، جے آئی ٹی بھی بن چکی ہے۔

عدالت کو لاپتہ کے لواحقین نے بتایا کہ کمیشن پر اعتماد نہیں، سپریم کورٹ خود ہی مقدمات سنے۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ ہم واقعاتی شواہد کو دیکھتے ہیں، وفاقی حکومت کے جواب کے بعد ہم اندھیرے میں بھٹک جاتے ہیں اس لیے کمیشن کو مقدمات بھیجتے ہیں، اس کے بعد کسی کو کمیشن پر اعتماد نہیں تو عدالت کے دروازے بند نہیں کرتے، اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے موجود ہیں، یہاں آجائیں۔ لاپتہ افراد کی جانب سے پیش ہونے والے وکیل انعام الرحیم نے کہا کہ کمیشن ناکام ہو چکا ہے۔ ڈپٹی اٹارنی نے کہا کہ ایسی بات نہیں، کمیشن کام کر رہا ہے۔ آمنہ مسعود نے کہا کہ کمیشن کو سات سال ہو گئے، رپورٹ کو تالے لگا کر رکھتے ہیں، چند سو مقدمات تھے اب پانچ ہزار سے بڑھ گئے ہیں، کیا یہ ایک کاروبار ہے؟ یہ ایجنسیوں پر ہے کہ وہ جب جس کو چاہتے ہیں رہا کر دیتے ہیں، کمیشن کا کوئی کردار نہیں، یہ ویسے ہی کریڈٹ لیتے ہیں۔ کمیشن تو پوسٹ آفس ہے۔ عدالت ان والدین کو دیکھے جو مر رہے ہیں، لوگوں کو ملک کی سب سے بڑی عدالت سے توقعات ہیں، آج یہاں مہمند ایجنسی سے والدین آئے ہوئے ہیں۔

جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ کیا ہوا ہے، مالاکنڈ میں شورش ہوئی، وہاں سے کچھ لوگ افغانستان چلے گئے، وہاں ان کے ساتھ کیا ہوا، یہ بھی ایک معاملہ ہے۔ دوہزار پانچ سے اب تک جو ہو رہا ہے۔ عدالت اور کمیشن سمیت کوئی بھی پورے یقین سے کسی لاپتہ فرد کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اگر ہم ایسا کوئی حکم جاری کر دیتے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس کو بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ عدالت کے سامنے مکمل اور درست معلومات نہیں ہوتیں، ایسی صورت میں کوئی موثر حکم جاری نہیں کر سکتے۔ عدالت اسی لیے ہے کہ ریاست کے ہر شہری کا تحفظ کرے۔

وکیل انعام الرحیم نے کہا کہ عدالت ان سے حراستی مراکز میں قید لوگوں کی فہرست تو طلب کرلے، کتنے لوگ ہیں، ان پر کیا الزامات ہیں؟ سپریم کورٹ نے دوہزار چودہ میں ۳۵افراد کے بارے میں حکم جاری کیا تھا، ان کو حراستی مراکز سے ہی غائب کر دیا گیا مگر عدالت نے اپنے حکم پر عمل نہ کرایا۔ (اس بات پر جج تلملا کر رہ گئے)۔

لاپتہ گل محیط خان کے بارے میں کمیشن کے سیکرٹری نے بتایا کہ پیش کے لیے حکم جاری کیا تھا، آئی ایس آئی اور ایم آئی سے رپورٹ بھی مانگی ہے۔ اسی دوران ایک شخص عدالت میں کھڑا ہوا اور کہا کہ میرا نام سردار محمد صدیق ہے اور میرے بیٹے ڈاکٹر سہیل کو انیس دسمبر دوہزار سترہ کو اسلام آباد سے تحویل میں لیا گیا ہے، پولیس ہمارا مقدمہ درج نہیں کر رہی، کہا جا رہا ہے کہ ایجنسیوں نے اٹھایا ہے اس لیے مقدمہ درج نہیں کر سکتے، میری اہلیہ دل کی مریضہ ہے۔ جسٹس اعجاز افضل نے کہا کہ ہمارے سامنے آپ کی درخواست نہیں آئی۔ ابھی دفتر نے اس کو مقرر نہیں کیا۔

اسی دوران آمنہ مسعود نے عدالت کو بتایا کہ یہاں دو لاپتہ جوانوں کے ماں باپ دونوں آئے ہوئے ہیں، ان کا مقدمہ آج نہیں لگا مگر یہ ہمارے سمجھانے کے باوجود سپریم کورٹ آجاتے ہیں۔ عدالت ہدایت جاری کرے کہ آئندہ سماعت پر ان کے بیٹوں کے مقدمے کو بھی سماعت کے لیے مقرر کیا جائے۔

(بزرگ میاں بیوی ایک دوسرے کو عدالتی کرسیوں کے سہارے کھڑے رہنے میں مدد کرتے رہے، اس بات سے بے خبر کہ آج ان کو نہیں سنا جائے گا، یہ الگ بات ہے کہ جب ان کا کیس مقرر بھی ہوتا ہے تب بھی کچھ نہیں ہوتا)۔

☆☆☆☆☆

جماعت 'قاعدۃ الجہاد برصغیر'، جماعت 'قاعدۃ الجہاد' (المعروف بہ القاعدہ) کی ایک شاخ ہے جس کی تاسیس سال ۱۴۳۵ھ میں ہوئی۔ جماعت کی ابتداء میں زیادہ تر وہ مجموعات اس میں ضم کیے گئے جو عرصہ دراز سے جماعت قاعدۃ الجہاد کے تحت یہاں مصروفِ جہاد تھے۔ یہ جماعت مرکزی جماعت قاعدۃ الجہاد کے امیر کی اطاعت میں ہے۔ اس کا دائرۂ کار برماسمیت برصغیر کا مکمل خطہ ہے جس میں خاص طور پر تین بڑے ممالک پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش شامل ہیں۔ اپنی ابتدا سے یہ جماعت، جماعتِ قاعدۃ الجہاد کی عمومی ہدایات کے مطابق برسرِ جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اب جماعت قاعدۃ الجہاد برصغیر کا لائحۂ عمل جاری کیا جارہا ہے۔ اس لائحہ کی تیاری میں جماعت قاعدۃ الجہاد کے امیر شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی جانب سے جاری کردہ 'جہادی عمل سے متعلق عمومی ہدایات' [توجیهات عامة للعمل الجهادي] بنیادی مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس طرح دیگر علمائے جہاد کے فتاویٰ اور نصف صدی سے زائد کے طویل جہادی تجارب سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اس لائحے میں اصولی امور کے ساتھ ساتھ گاہے بگاہے انتظامی نوعیت کے امور بھی شامل کیے گئے ہیں جن میں حسبِ ضرورت تبدیلی ممکن ہے۔ یہ تبدیلی امیر جماعت قاعدۃ الجہاد برصغیر، جماعت قاعدۃ الجہاد برصغیر کی شوریٰ کی موافقت سے کر سکتے ہیں۔ جماعت سے منسلک ہر فرد اس لائحۂ عمل کے مطابق کام کرنے کا پابند ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں امیر جماعت اور جماعت کی شوریٰ احتساب کا حق رکھتے ہیں۔

[جماعۃ قاعدۃ الجہاد برصغیر کے 'لائحہ عمل' سے اقتباس]

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ

صرف راؤ انوار نہیں، پورا شیطانی نظام مجرم ہے!

اسامہ سعید

راؤ انوار کا معاملہ اس ملک میں نام نہاد عدالتی نظام اور قانون کے نفاذ کی حقیقت کھول چکا ہے کہ اس ملک میں قانون کا اطلاق صرف غریب عوام پر ہی ہوتا ہے اور وہ بھی صرف اور صرف ظلم و جبر کی چکی میں پسنے والی عوام کی رگوں سے بچے کھچے خون اور زندگی کی رمق نچوڑنے کے لیے، تاکہ چوسے گئے خون سے یہ اپنی طاقت و فرعونیت میں روز بروز اضافہ کر سکیں۔ میڈیا، عدلیہ، سیاستدان او رصحافی کیا ان ہزار ہا مسلمانوں کی جبری گمشدگیوں، تشدد اور ماورائے عدالت قتل کیے جانے والے افراد کے متعلق بے خبر ہیں کہ یہ سب کرنے والی طاقت کون سی ہے۔ کیا یہ کام کرنے والا اکیلا راؤ انوار ہے؟ یا کراچی تا پشاور و وزیرستان پولیس و خفیہ ایجنسیوں کا مربوط نظام ہر گلی کوچے، گاؤں، بازار اور شہر میں یہ کھیل جاری رکھے ہوئے ہے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ یہ شیطانی نظام اس سادہ سے اصول پر کاربند ہے کہ تم اسلام کے خلاف اس جنگ میں ہمارے اتحادی، دست بازو یا کسی بھی صورت میں معاونت کرنے والے بن جاؤ اب چاہے تم ایک پولیس افسر ہو یا کوئی چور ڈاکو، بھتہ مافیہ اور زمینوں پر قبضہ کرنے والے کسی گروہ کے رکن، یا پھر منشیات اور اغوا برائے تاوان کی کارروائیاں کرنے والا کوئی نیٹ ورک... تمہیں اس شیطانی نظام کی خدمت اور مدد کے صلے میں ایک خاص قسم کا استثنیٰ اور چھوٹ حاصل ہوگی... قانون نافذ کرنے والے ادارے، پولیس و خفیہ ایجنسیاں تمہارے جرائم کو نظر انداز کرتی رہیں گی اور اس سہولت کی مدد سے تم اپنی تجوریاں بھرتے رہو۔ اگر تم پھر بھی کبھی قانون کی گرفت میں آ ہی جاؤ تو یہ شیطانی نظام اس نام نہاد عدالتی نظام سے بچاؤ اور فرار کے راستے بھی مہیا کرتا ہے۔ یقین جانیے جرائم پیشہ افراد جن میں چور، اغواء برائے تاوان کے نیٹورک سے لے کر منشیات کا کاروبار کرنے والے شامل ہیں مخبریوں کے عوض ان ایجنسیوں اور پولیس کے محکمے کی نظروں میں ہوتے ہوئے ان کی عین ناک کے نیچے بآسانی جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

یہی کام راؤ انوار نے کیا ہے جہاں اس شخص نے ایجنسیوں کے احکامات پر مذہبی سیاسی و عسکری تنظیموں سے تعلق کے الزام میں نوجوانوں کو جعلی مقابلوں میں قتل کیا، اور جو خفیہ ایجنسیوں کی تحویل میں دوران تفتیش تشدد سے جان کی بازی ہارتے رہے ان کی لاشیں وصول کر کے ان کو بھی پولیس مقابلوں میں مارنے کے دعوے کرتا رہا۔ وہیں یہ شخص اپنی لوٹ مار اور قتل و غارت بھی جاری رکھے ہوئے تھا جس کا مقصد تجوریاں بھرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کوئی پوچھنے والا تو تھا نہیں اور کوئی پوچھ بھی تو کیسے۔ جس شخص کے سر پر اس ملک کے اصل حکمرانوں کا دستِ شفقت ہو اس کو بھلا کوئی پوچھ سکتا ہے۔ ابھی تک راؤ انوار گرفتار نہیں ہوا ہے لیکن اپنے انجام کے خوف سے کچھ اہم باتیں اگل کر اشارے ضرور دے رہا ہے، جیو نیوز سے بات کرتے ہوئے راؤ انوار کا کہنا تھا کہ انکاؤنٹرز آئی جی سندھ اے ڈی خواجہ کی پالیسی ہے اور میں نے اس پر عمل کیا ہے۔ یہ بھی کہا کہ پولیس کے اعلیٰ حکام کے اجلاسوں میں کہا گیا کہ جو بھی دہشت گرد ہے اسے زمین پر نہیں ہونا چاہیے، لہٰذا میں نے تو اعلیٰ پولیس افسران کے احکامات پر عمل کیا ہے۔ مزید کہا کہ سی ٹی ڈی، کرائمز برانچ اور لوکل پولیس بھی جعلی پولیس مقابلے کرتی ہے کیونکہ ان کے پولیس مقابلوں میں بھی اہل کار زخمی نہیں ہوتے۔

چلیے نقیب کی وجہ سے یہ معاملہ میڈیا کی توجہ کا مرکز بن ہی گیا ہے تو کہیں ایسا تو نہیں کہ فیض آباد دھرنا اور زینب معاملے کی طرح اصل مجرم ہمدرد بن کر سامنے آئے اور راؤ کو قربانی کا بکرا بنا کر خود ہیرو بن جائے۔ کم و بیش دس دن تک جاری رہنے والے دھرنے میں منتظمین کی جانب سے لاپتہ افراد کی تصویروں کے بینر لگائے گئے تھے۔ دھرنے کے منتظمین کے مطابق جن افراد کی تصویروں کے بینر لگائے گئے تھے ان میں سے ایک ایک کر کے کُل اکہتر افراد گھر پہنچ گئے۔ جس کے بعد نقیب کیس سے متعلق چند یقین دہانیوں کے بعد دھرنا ختم کر دیا گیا۔ دیکھا جائے تو نقیب کے اصل قاتل خوف زدہ تھے کہ کہیں یہ راؤ انوار اپنے اصل آقاؤں کے نام اگل نہ دے کہ وہ کن کے کہنے پر یہ قتل و غارت گری مچاتا رہا اور کن سے تشدد زدہ لاشیں وصول کرتا رہا۔

نقیب کے غم میں گھلے جانے والے سیاستدانوں سے لے کر صحافی حضرات تک نے خطاب کے دوران بڑی شعلہ بیانی کی۔ ان میں سے ایک حامد میر بھی تھے جنہوں نے دھرنے سے خطاب کے دوران کہا کہ راؤ کی طرح مشرف بھی قبائلی مسلمانوں کا قاتل ہے اسے بھی واپس لایا جائے اور اسے بھی عدالتوں میں پیش کیا جائے۔ وہ اپنے اس مطالبے کی حقیقت بخوبی جانتے ہیں گو کہ خفیہ اہل کاروں کے ہاتھوں گولیوں کا نشانہ بننے کے بعد سے کافی نپی تلی اور محتاط زبان استعمال کرتے ہیں... چلیے ایسے موقع پر اتنی بے باکی دکھانے پر وہ کسی قدر لائق تحسین ہیں لیکن پھر بھی ہم یہ ضرور کہیں گے کہ جس آئین و قانون کی بالادستی کی وہ بات کر رہے ہیں وہ ان امریکی غلاموں کی لونڈی سے زیادہ کچھ نہیں۔ آپ نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشرف کو تو قاتل قرار دے کر اس کی واپسی اور عدالتوں میں اس کے خلاف مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر دیا لیکن ذرا موازنہ تو کیجیے کہ جو قتل و غارت امریکی خوشنودی کے لیے مشرف کے بعد کیانی راحیل اور اب یہ باجوہ کر رہا ہے تو کیوں صرف مشرف ہی لعن طعن کا ہدف ہو... یہ بعد کے جرنیل کیوں نہیں... کیا مشرف کے بعد پالیسی میں تبدیلی آگئی... مشرف نے اسلام کے خلاف جس جنگ کا آغاز قبائلی علاقوں میں کیا آج امریکہ کے زر خرید جرنیل وہی جنگ پاکستان کے ہر شہر گلی محلے کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کرتے ہوئے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ایک قبائلی بھائی نے بتایا کہ ہمارا ایک دوست لاپتہ افراد کا ڈیٹا اکٹھا کر رہا ہے... پرسوں رات میں اس کے ساتھ بیٹھا تھا، صرف ۲۰ منٹ میں کئی کالز موصول ہوئیں، ان میں سے ایک ہی گاؤں کے دو نوجوان لاپتہ تھے۔ کل اس نے فون کر کے کہا کہ بھائی! میں تو پاگل ہو جاؤں گا اتنی زیادہ کالز آ رہی ہیں کہ مجھے تو لگتا ہے کہ آدھی مہمند ایجنسی لاپتہ ہے تو باقی فاٹا کا کیا حال

ہو گا... اور یہ تو صرف ان کی کالز آ رہی ہیں جو فاٹا سے باہر ہیں اگر فاٹا میں موبائل اور انٹرنیٹ ہوتا تو پتہ نہیں کتنی کالز آتیں... کسی کو اچھا لگے یا برا مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ مشرف، کیانی، راحیل اور باجوہ کے نام تاریخ میں ہلاکو خان اور چنگیز خان کے ساتھ لکھے جائیں گے اور ریاست پاکستان کے مظالم کا موازنہ تا قیامت ان دونوں کے ساتھ کیا جائے گا۔

اس کھیل میں ان جرنیلوں کے پاس راؤ انوار جیسے درندے ایک نہیں ہزاروں ہیں۔ نقیب کے رشتہ داروں سے تعزیت کی غرض سے اس کے گھر جا کر سیاست چمکانے والے مذہبی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کی پریس کانفرنس دیکھ کر افسوس ہی کیا جاسکتا ہے کہ پچھلے سالوں میں جعلی مقابلے میں شہید کیے جانے والوں کے ہاں شاید ہی ان میں سے کسی نے جا کر تعزیت کی ہو اور کرتے بھی کیوں کیونکہ مارے جانے والے افراد تو عام سادہ سے انسان تھے جن کی داڑھیاں سنت کے مطابق تھیں، انہیں دور جدید کے فیشنوں کا تو علم نہ تھا کہ ان دکانداروں کی توجہ کا مرکز بنتے۔

آیئے ایک نظر راؤ انوار کے کیریئر اور جرائم کی فہرست پر ڈالتے ہیں پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اس کا ان جرائم کا ارتکاب کرنا اس کا ذاتی فعل تھا یا ڈالر کے غلام صلیبی فرنٹ لائن اتحادیوں کی مکمل تابع داری کے عوض ملنے والی اضافی چھوٹ کے سبب ہی وہ ان جرائم کا ارتکاب کر پایا۔

راؤ انوار جو ۱۹۸۰ء کی دہائی میں پولیس میں بطور اے ایس آئی بھرتی ہوا، بطور سب انسپکٹر ترقی پاتے ہی ایس ایچ او کے منصب پر پہنچا، اس عرصے میں وہ زیادہ تر گڈاپ تھانے پر تعینات رہا۔ ۱۹۹۲ء میں جب ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن شروع ہوا تو راؤ انوار اس میں بھی پیش پیش تھا، جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت میں جب ایم کیو ایم پر دست شفقت رکھا گیا تو راؤ انوار لیو (رخصت) پر دبئی چلا گیا۔ ۲۰۰۸ء میں جب اقتدار کی میوزیکل چیئر گیم کرسی پیپلز پارٹی کے ہاتھ آئی تو راؤ دوبارہ کراچی آیا۔ گذشتہ دس سالوں میں وہ زیادہ تر ایس پی ملیر کے عہدے پر ہی فائز رہا۔ ۲۰۱۵ء میں اسے ایم کیو ایم کے خلاف پریس کانفرنس کرنے پر جس کے لیے آئی جی سندھ سے اجازت نہیں لی گئی تھی معطل کر دیا گیا۔ آئی جی کو اس بات پر اعتراض نہ تھا کہ اس نے ایم کیو ایم کے خلاف ملک دشمنی کے الزامات لگائے بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ بغیر آئی جی کی اجازت کے پریس کانفرنس کیسے کی۔ بہر حال اس واقعے نے ایک حقیقت یہ ضرور واضح کی کہ پولیس افسران اپنے محکمے سے زیادہ کسی اور طاقت کے اشاروں پر ناچنے کو تیار رہتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے بھی آئی جی کے فیصلے کی حمایت کی لیکن پھر اس وقت کے آرمی چیف جنرل راحیل کی سفارش پر راؤ انوار کو بحال کر دیا گیا۔ راؤ کی بحالی کے لیے اس وقت پی ٹی آئی کی جانب سے بھی راؤ کے حق میں ریلی نکالی گئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ آج عملی طور پر پاکستان کے تمام ہی ادارے خفیہ ایجنسیوں کی مداخلت کے سامنے مکمل بے بس نظر آتے ہیں۔ مداخلت ہی کیا بالفرض کسی بھی ادارے کے پندرہ گریڈ اہل کار پر خفیہ ایجنسیاں اپنا ہاتھ رکھ دیں تو یہی اہل کار اپنے ادارے کے سربراہ کو بھی کسی خاطر میں نہیں لائے گا یعنی عملاً یہی شخص ادارے کا سربراہ ہو گا۔

سپریم کورٹ میں پیش کی جانے والی سندھ پولیس کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق سابق سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس (ایس ایس پی) راؤ انوار کی ضلع ملیر میں تعیناتی کے ۷ سال کے دوران ۷۴۵ پولیس مقابلے ہوئے، جن کے دوران ۴۴۴ افراد کو ہلاک کرنے کا دعوی کیا گیا۔ نقیب کے معاملے میں تو ابتدائی تفتیش سے ہی یہ معاملہ واضح ہو گیا تھا کہ راؤ انوار کے کارندے بھتہ خوری کی غرض سے تجارت پیشہ افراد کو ٹارگٹ کرتے رہے تھے اور اسی بنیاد پر نقیب کو بھی ہدف بنایا گیا تھا۔

نقیب معاملہ کے سبب راؤ انوار سمیت کراچی پولیس کی جانب سے کئے گئے دوسرے جعلی مقابلوں اور لاپتہ کیے گئے افراد کی تفصیلات بھی سامنے آ رہی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

نجی کمپنی میں ملازمت کرنے والے محمد اسماعیل کو ۱۳ نومبر ۲۰۱۵ء نماز فجر کی ادائیگی کے لیے مسجد جاتے ہوئے گرفتار کیا گیا بعد میں اہل علاقہ کے بتانے پر جب معلوم ہوا تو اہل خانہ تھانوں کے چکر لگاتے رہے لیکن ہر دفعہ دھکے دے کر نکال دیا گیا۔ تین ماہ بعد منگھو پیر کے علاقے میں جعلی مقابلے کا کھیل کھیلا گیا۔ بعد میں اہل خانہ کو معلوم ہوا کہ اسماعیل کی لاش ایدھی سرد خانے میں پڑی ہے۔ لاش کی وصولی کے لیے بھی انہیں دوبارہ تھانوں کے چکر کاٹنے پڑے۔

نقیب کے حق میں جاری دھرنے میں موجود لال شیر نامی شخص نے بتایا کہ اس کا ۲۸ سالہ بیٹا نارتھ کراچی میں جولائی ۲۰۱۲ء جمعہ کی نماز کے لیے گھر سے نکلا اور واپس نہیں لوٹا۔ کئی دن تک خواجہ اجمیر نگری تھانے کے اہل کار گمشدگی کی رپورٹ لکھنے سے انکار کرتے رہے۔ پھر ایک دن ایس ایچ او چوہدری افضل نے کہا آپ کا بیٹا مل جائے گا لیکن اس کے لیے دس لاکھ روپے چاہئیں ہوں گے میں اتنی رقم کا کہاں سے بندوبست کرتا۔ بیٹے کی گمشدگی پر عدالت نے ایکشن بھی لیا اور ایس ایچ او کو عدالت طلب کیا لیکن وہاں عدالت میں وہ اپنی بات سے پھر گیا اب پانچ سال ہو چکے ہیں لیکن میرے بیٹے کا کچھ پتہ نہیں۔

تین ماہ قبل راؤ انوار کے ہاتھوں مارے جانے والے چودہ سالہ محمد عباس کے والد ضمیر الدین نے بتایا کہ ان کا بیٹا سبزی کی دکان پر کام کرتا تھا۔ ۱۶ اگست ۲۰۱۶ء کو پولیس موبائل نمبر SP-9091 دکان پر آئی۔ پولیس اہل کار میرے بیٹے کو تشدد کرتے ہوئے لے جانے لگے، میرے روکنے پر مجھے بھی مارا پیٹا اور میرے بیٹے کو لے گئے۔ وزیر اعلیٰ اور پولیس افسران کی منت سماجت کے باوجود کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ پھر ۷ اکتوبر ۲۰۱۷ کو راؤ انوار نے نادرن بائی پاس پر مقابلے میں 4 دہشت گردوں کو ہلاک کرنے کا دعوی کیا میڈیا پر جاری ہونے والی تصویروں میں ایک تصویر عباس کی بھی تھی۔ لاش وصول کرنے کے موقع پر راؤ انوار نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر اس متعلق کسی کو کچھ بتایا تو پورے خاندان کو قتل کروادوں گا۔

۲۰دسمبر ۲۰۱۴ء نور شیر اور خلیل جان دو بھائیوں کو راؤ انوار کے آدمی اٹھا کر لے گئے جب اہل خانہ قریبی تھانے گئے تو کہا گیا کہ انہیں کوئی خفیہ ادارہ لے گیا ہے پھر کہا گیا پیسوں کی ڈیل کر لو۔ کبھی کسی تھانے اور کبھی کسی تھانے بلاتے آخر کار معاملہ پانچ لاکھ میں طے ہوا۔ ابھی ہم پیسوں کا بندوبست کرنے ہی میں مصروف تھے کہ ۱۵جولائی۲۰۱۵ء دونوں بھائیوں کو جعلی مقابلے میں مار دیا گیا۔

جرگے میں آنے والی ایک بیوہ خاتون جمیلہ بی بی نے بتایا۸ دسمبر۲۰۱۷ء کی صبح چار بجے راؤ انوار کے اہل کاروں نے چھاپہ مار کر ان کے دونوں بیٹوں محمد الیاس اور محمد علی کو ساتھ لے گئے اور بتایا کہ تفتیش کے بعد چھوڑ دیں گے لیکن تاحال کوئی معلومات نہیں۔

سندھ کے شہر قنبر شہداد کوٹ کے علاقے میرو خان سے تعلق رکھنے والے اٹھارہ سالہ جنید ابڑو کو ۲۵ دسمبر نیو کراچی سے اٹھایا گیا اور اگلے روز سائٹ سپر ہائی وے پولیس نے مقابلے کے نام پر مار دیا۔ جنید کے اہل خانہ نے دو تصاویر پیش کیں ایک تصویر میں جنید زخمی حالت میں ہے جب کہ دوسری تصویر لاش کی ہے جس کے چہرے پر گولیاں لگی ہوئی ہیں۔ زخمی حالت والی تصویر ایمبولینس ڈرائیور نے بنائی۔ اس کے بیان کے مطابق ۲۶ دسمبر کو سپر ہائی وے پولیس نے مقابلے میں ہلاک افراد کی لاشیں ہسپتال منتقل کرنے کے لیے ایمبولینس منگوائی۔ میں لاشیں ایمبولینس میں رکھنے لگا تو ایک شخص مجھے زندہ معلوم ہوا میں نے اسی وقت اس کی تصویر بنائی اور اندر جاکر ڈیوٹی افسر کو بتایا تو میری بات سن کر تھانے میں ہلچل مچ گئی مجھے انتظار کرنے کا کہا گیا اور ایک اہل کار باہر گیا پھر دو گولیاں چلنے کی آواز آئی اور پھر پولیس اہل کار نے واپس آکر کہا: "اسے لے جاؤ اب مر گیا ہے"۔ ڈرائیور کے مطابق جب وہ باہر آیا تو دیکھا اس کے چہرے پر گولیوں کے تازہ نشان تھے۔

سہراب گوٹھ کے رہائشی عبداللہ نے بتایا کہ راؤ انوار کی ہدایت پر اس کی ٹیم پہلے اس کے بھتیجے کو اٹھا کر لے گئی ۔ جب میں بھتیجے کو چھڑوانے کی غرض سے گیا تو انہوں نے دس لاکھ کا مطالبہ کیا بعد ازاں چار لاکھ پر بات طے ہو گئی جب میں چار لاکھ لے کر پہنچا تو مجھے گڈاپ کے لنک روڈ پر پہاڑی علاقے میں لے گئے اور مجھے بھی بند کر دیا۔ پھر بیس لاکھ روپے مانگے گئے۔ اس جگہ ہم پر تشدد کیا جاتا رہا اور بجلی کے جھٹکے دیے جاتے اور گھر والوں کو فون کر کے کہا جاتا کہ یہ انتہائی مطلوب دہشت گرد ہیں۔

سہراب گوٹھ پختون قومی جرگہ میں آئے ایک شخص آغا اختر خان نے بتایا کہ اس کے بیٹے کو مبینہ ٹاؤن کے ایس ایچ او ظفر عباس اے ایس آئی غلام حسین کوریجو اور چھ سے زائد اہل کاروں نے ۱۹جولائی ۲۰۱۵ء میرے گھر پر چھاپہ مار کر میرے بیٹے آغا محمد سہراب کو ساتھ لے گئے۔ ایس ایچ او نے پچاس لاکھ کا مطالبہ کیا اور نہ دینے پر قتل کرنے کی دھمکی دی۔ جوان بیٹے کی خاطر میں نے پندرہ لاکھ روپے رشوت دی۔ یہ رقم میں نے بیٹیوں کی شادی کے لیے جمع کی تھی اور یہی میری کل جمع پونجی تھی۔ لیکن انہوں نے میرے بیٹے کو پھر بھی نہیں چھوڑا۔ ۲۴جولائی کو مجسٹریٹ کی معرفت تھانے پر چھاپہ لگوایا تو میرا بیٹا تھانے سے بازیاب تو ہوا جب کہ اس کا تھانے میں کوئی اندراج نہیں تھا۔ ایس ایچ او نے ۲۴جولائی کو ہی میرے بیٹے پر جھوٹا مقدمہ بنادیا اور اب وہ جیل میں ہے۔

۲۸ستمبر۲۰۱۷ء راؤ انوار کے ہاتھوں جعلی مقابلے میں مارے جانے والے نوجوان عمار ہاشمی کے بھائی انس ہاشمی کا کہنا تھا کہ اس کے بھائی کو ۹جون ۲۰۱۵ کو راؤ انوار کی ٹیم نے اٹھایا اور ۲۸ ماہ تک اپنے پاس رکھا۔ ۱۴ستمبر۲۰۱۷ء کو بھائی کی بازیابی کے لیے پٹیشن لگائی تو ۱۴روز بعد عمار کو جعلی مقابلے میں قتل کر کے دہشت گرد ظاہر کیا گیا۔

نور عالم محسود جس نے کراچی میں ہی پہلی سے لے کر میٹرک تک تعلیم حاصل کی، یہیں شادی کی اور سوزوکی پک اپ چلا کر اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتا تھا، اسے راؤ انوار کی ٹیم نیو سبزی منڈی سے سوزوکی سے اتار کر ساتھ لے گئی۔ اس کی گاڑی میں سوار دوسرے افراد نے نور عالم کے گھر والوں کو اطلاع کی جس پر گھر والوں نے تھانوں میں تلاش شروع کی۔ چونکہ غربت کے سبب وہ رشوت کا بندوبست نہیں کر سکتے تھے لہٰذا ساتویں روز ہی نور عالم محسود کو دو اور افراد امیر خان محسود اور گل پیر جان سمیت جعلی مقابلے میں شہید کر دیا گیا۔

دو سال قبل نارتھ کراچی سے چار سگے بھائیوں سید ثاقب علی، سید عامر علی، سید منصور علی اور سید کاشف علی کو گھر سے اٹھایا گیا اور دھمکی دی گئی کہ کوئی پٹیشن دائر نہیں کرنی۔ ان میں سے سید کاشف علی کو اتحاد ٹاؤن میں جعلی مقابلے میں شہید کر دیا گیا جب کہ باقی تین تاحال لاپتہ ہیں۔

۱۹اکتوبر ۲۰۱۶ء پولیس مقابلے میں ایک نوجوان عتیق اللہ کو ہلاک اور عزیز اللہ کو زخمی کرنے کا دعوی کیا گیا جب کہ عتیق اللہ کے رشتہ داروں نے بتایا کہ وہ سپر ہائی وے پر واقع رینجر پبلک سکول کا طالب علم تھا۔

۱۳جولائی۲۰۱۷ء عمر کالونی کراچی کا رہائشی عاقب خان لاپتہ کر دیا گیا اور تاحال کچھ خبر نہیں۔ نومبر۲۰۱۷ء کامران صدیقی کو گلشن اقبال پولیس نے زخمی حالت میں گرفتار کرنے کا دعوی کیا تھا جب کہ زخمی ہونے والے شخص کے بھائی نعمان صدیقی کے مطابق کامران کو آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر گولیاں ماری گئیں۔ نعمان صدیقی کی جانب سے کامران صدیقی کے لاپتہ ہونے کی بھی رپورٹ درج کرائی گئی تھی۔

انصار الشریعہ کے کارکنان کی گرفتاری تمام میڈیا پر رپورٹ ہوئی اس کے باوجود کچھ ہی دنوں بعد تمام ہی میڈیا نے ان کے سی ٹی ڈی اور رینجرز کے ساتھ مقابلے میں مارے جانے کی خبر کو من وعن یوں رپورٹ کیا جیسے کروڑوں کی عوام کے ذہنوں سے ان کی گرفتاری کی خبر ڈیلیٹ کر کے مطمئن ہوں کسی ایک صحافی اور تجزیہ نگار کو جرأت نہ ہوئی کہ سوال اٹھا سکیں کہ کس کو بے وقوف بناتے ہو چند دن قبل گرفتار کر کے آج ان سے مقابلہ کیسے

کررہے ہو۔ہاں لفافہ خور صحافیوں میں سے بعض ان جعلی مقابلوں کی آج تاویل دیتے ہوئے انہیں کولیٹرل ڈیمج قرار دیتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ سرکاری سرپرستی خصوصاً خفیہ ایجنسیوں کی ہدایات کے مطابق ان جعلی مقابلوں کے عوض راؤانوار کو ایک خاص قسم کا استثنیٰ اور چھوٹ بھی حاصل تھی جس کے ذریعے اس نے قسم ہا قسم کے ذرائع آمدن بنالیے تھے۔ایک رپورٹ کے مطابق صرف ریتی اور بجری چوری کے ذریعے راؤانوار نے سات تھانوں کی حدود جن میں سپر ہائی وے، سہراب گوٹھ، ملیر سٹی، شاہ لطیف ٹاؤن، سکھن، شرافی گوٹھ اور میمن گوٹھ کے علاقے شامل ہیں'میں اپنے کارندوں کے ذریعے ہر علاقے سے یومیہ ۵۰ سے ۱۰۰ ڈمپر ریتی بجری چوری کرکے فروخت کرنے کا کاروبار جاری رکھا ہوا ہے۔اس کاروبار کے ذریعے پچھلے چند سالوں کے دوران راؤانوار اربوں روپے کما چکا ہے۔یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ کورنگی سیکٹر میں رفاہی پلاٹوں پر چائنا کٹنگ کے ذریعے لاکھوں روپے رشوت لی جاتی رہی جس کے بعد راؤانوار نے ہی اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے کے ڈی اے کے افسران سے ان معاملات پر زبانیں بند رکھنے کے لیے راضی کروایا۔اب خود ہی فیصلہ کیجئے کہ صرف اپنے یعنی پولیس محکمے میں ہی نہیں بلکہ دوسرے محکموں تک ایسا اثر ورسوخ کے بڑے بڑے افسران تک اس کے اشاروں کے منتظر رہیں،یہ اس شخص کی اپنی طاقت تھی یا پس پردہ وہ خفیہ طاقتیں جو "دہشت گردی کے خلاف جنگ" میں اس کے کردار کے عوض اس کو شتر بے مہار بنائے ہوئے تھیں کہ جو جی چاہے کرتا پھرے۔ایس پی نیاز کھوسو کی جانب سے چیئرمین نیب کی جانب سے لکھے گئے خط میں کہا گیا ہے کہ راؤانوار نے ملیر میں تعیناتی کے دوران پچاسی ارب روپے کی رقم بیرون ملک منتقل کی اس کے علاوہ اسلام آباد کے مہنگے ترین علاقے F-10/4 میں پچاس کروڑ مالیت کا بنگلہ خریدا جب کہ ٹیکس ڈیکلیریشن میں راؤانوار نے ماہانہ آمدن (تنخواہ) ستر ہزار روپے ظاہر کی ہے۔

اگر جعلی مقابلوں کے متعلق صرف کراچی کی حد تک بات کی جائے تو یہ سلسلہ ۱۹۹۳ء سے ہی شروع ہو چکا تھا اور پھر کبھی تیز اور کبھی سست رفتار سے ہمیشہ ہی چلتا رہا۔کراچی کی صورت حال کو کنٹرول کرنے کے لیے خفیہ ایجنسیوں نے جوڑ توڑ کی پالیسی ہی اپنائی رکھی۔ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کے مابین اور خود انہی پارٹیوں کے اندر مختلف گروپوں پر وقتاً فوقتاً سرپرستی کرکے کراچی کو آگ و خون میں نہلاتے رہے۔لسانی اور تنظیمی فسادات کو وقتاً فوقتاً بھڑکا کر اپنے مخصوص اہداف حاصل کرنا ان کے نزدیک شاید کسی ویڈیو گیم کی مانند ہو لیکن اس نے عام عوام کی زندگیوں کو کس حد تک متاثر کیا ہے اس کا اندازہ ایک عام شہری تو کر سکتا ہے لیکن فوجی چھاؤنیوں میں بیٹھ کر یہ کھلواڑ کھیلنے والا نہیں۔اور پھر افغانستان میں امریکی حملے کے بعد جب ان کی جنگ کا رخ اور ہدف مذہبی طبقات بنے تو اب یہ ایسے درندوں کی مانند اہل اسلام پر ٹوٹ پڑے جیسے اس سے قبل کی جانے والی قتل وغارت ان کی تربیت تھی اور اب اس تربیت کا عملی مظاہرہ ہونا تھا۔

ریاستی سرپرستی میں سی ٹی ڈی، رینجرز، ایف سی اور پولیس کے ہاتھوں ملک بھر میں کیے جانے والے مقابلوں کو جعلی ثابت کرنا اور پھر ان درندوں کا عدالت میں پیش ہونا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے جب ایسے افراد کو بھی جعلی مقابلوں میں دن دیہاڑے قتل کر دیا جاتا ہے جن کی گرفتاری کی ملکی اور بین الاقوامی میڈیا میں رپورٹنگ ہو چکی ہوتی ہے۔

اب خبر آئی ہے کہ راؤانوار نے چیف جسٹس کے نام لکھے خط میں کہا ہے کہ وہ سندھ حکومت کی بنائی گئی جے آئی ٹی پر اعتبار نہیں کرتا اس لیے وہ دوسری جے آئی ٹی جو سپریم کورٹ کی نگرانی میں ہو اس کے سامنے پیش ہونے کو تیار ہے۔نتیجتاً سپریم کورٹ نے نئی جے آئی ٹی کی تشکیل کے لیے اب تازہ احکامات جاری کیے ہیں۔نئی جے آئی ٹی میں خفیہ اداروں کے افسران سمیت سپریم کورٹ کا ایک نمائندہ ہوگا۔حقیقت یہی ہے کہ جن کی فرمائش پر اٹھائے گئے لوگوں کو قتل کرنے کے لیے فوجی عدالتیں بنادی گئی تھیں اب انہی کے خط پر راؤانوار کی بغیر حاضری، حفاظتی ضمانت بھی قبول ہوگئی، یہ ملک کی آئینی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہے کہ کسی شخص کو فوجداری مقدمے میں بغیر حاضر ہوئے ضمانت مل گئی ہو۔

ایک جی دار صحافی نے اس صورت حال کی کیا خوب عکاسی کرتے ہوئے کہا کہ آج سپریم کورٹ کے چیف جسٹس صاحب خود راؤانوار کی وکالت کرتے پائے گئے۔سپریم کورٹ کے انسانی حقوق سیل میں آئی لاکھوں درخواستوں سے اچانک راوانوار کا خط نکل کر از خود چیف جسٹس صاحب کی میز پر جا پہنچا۔ چیف صاحب کو خط پڑھتے ہی یقین آگیا کہ معصوم انسانوں کو جعلی مقابلے میں قتل کرنے والے راؤانوار کے ساتھ بالکل بھی انصاف نہیں ہو رہا۔راؤ انوار کی مرضی کی ایک نئی جے آئی ٹی بننے کی نوید بھی سناڈالی اور پولیس سمیت تمام اداروں کو راؤانوار کی گرفتاری سے بھی روکتے ہوئے عبوری ضمانت کا پروانہ بھی جاری فرما دیا۔کیس کی سماعت اب جمعہ کو ہوگی۔حالات کے تناظر میں امید یہی ہے جمعہ کو راؤانوار ایک بلٹ پروف گاڑی میں پورے پروٹوکول کے ساتھ سپریم کورٹ تشریف لائیں گے۔کمانڈور صحافیوں کو اُس کے قریب جانے سے روک دیں گے۔عبوری ضمانت کنفرم ہو جائے گی، نئی غیر سویلین جے آئی ٹی بنے گی اور پھر کیا ہو گا یہ تو بچے بچے کو معلوم ہے۔

میڈیا پر راؤانوار کے خلاف دو ہفتے کا واویلا مچانے کے بعد اسلام آباد دھرنے کو ہائی جیک کیا گیا اور اب فوراً بعد راؤ انوار کے کیس کی تفتیش انہی لوگوں کے سپرد کی گئی ہے جو اسے پالتے رہے۔بالفرض اگر عوامی دباؤ کے سبب راؤانوار کو سزا دلوانا ضروری ہو بھی گیا تو کیا فرق پڑتا ہے جب جعلی مقابلوں کے اصل کرتا دھرتا اپنی جگہ موجود ہیں اور انہی اصل مجرموں کو اس کرپٹ عدالتی نظام کے کٹہرے میں لانا تو درکنار ان کے کردار کے متعلق کسی قسم کی بات کرنا ہی ہمارے مادر پدر آزاد میڈیا کے بس کی بھی بات نہیں۔

☆☆☆☆☆

سیکولر مغربی ممالک کی "جنسی درندگی" اور پاکستان

شاہنواز فاروقی

قصور میں زینب کے ساتھ جنسی درندگی اور اس کے المناک قتل نے معاشرے کی ذہنی و نفسیاتی اور علمی و اخلاقی حالت کے بارے میں بنیادی سوالات اٹھادیے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ مغرب میں ٹیلی وژن کو بچوں کے تناظر میں Electronic Parent کہا جاتا تھا، مگر بدقسمتی سے اب ٹیلی وژن پوری دنیا میں بڑی عمر کے لوگوں کا بھی باپ یا Parent بن گیا ہے۔ یہ "باپ" اب بتاتا ہے کہ معاشرے میں کیا موجود ہے، اور کیا موجود نہیں؟ معاشرے کو کیا سوچنا ہے اور کیا نہیں سوچنا ہے؟ کیا کہنا ہے، کیا نہیں کہنا ہے؟ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے؟

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ٹیلی وژن باپ کے مرتبے سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اسے "الیکٹرانک پیر" یا "الیکٹرانک شیخ" کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

زینب کی الم ناک کہانی کا ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ زینب کے واقعے کے عام ہوتے ہی "مغرب زدگان" کی ایک بڑی تعداد اپنے اپنے بلوں سے نکل آئی اور اس نے یہ راگ الاپنا شروع کردیا کہ اسکولوں میں جنسی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنائے بغیر ایسے سانحات کو رونما ہونے سے نہیں روکا جاسکتا۔

اطلاعات کی وزیر مملکت مریم اورنگ زیب نے فرمایا کہ جب بھی جنسی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اُس پر مذہبی تناظر میں اعتراضات کیے جانے لگتے ہیں۔ جیو کے شاہ زیب خانزادہ نے اس سلسلے میں ایک پورا پروگرام کرڈالا اور انہوں نے بھارتی اداکار عامر خان کے ایک پروگرام کو نمونے کے طور پر پیش کیا۔ اداکارہ ماہرہ خان، اداکار فیصل قریشی اور بالخصوص گلوکار شہزاد رائے نے اس ضمن میں کئی ٹی وی چینلز پر خاصا شور مچایا اور کہا کہ جنسی تعلیم اسکولوں کے نصاب کا حصہ نہیں ہوگی تو یہی ہوگا۔

پوری مسلم دنیا جانتی ہے کہ جنسی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنانا امریکہ اور یورپ کا ایجنڈا ہے۔ سیکولر اور لبرل عناصر مذہبی لوگوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ مذہب کے نام پر سیاست کرتے ہیں۔ مگر دیکھا جائے تو مغرب زدگان اس وقت پاکستان میں جنسی درندگی اور المناک قتل کے ایک واقعے پر پاکستان میں سیکولر مغرب کے سیکولر اور لبرل ایجنڈے کو آگے بڑھارہے ہیں۔

اس سلسلے میں سیاسی جماعتوں پر کیا، سپریم کورٹ تک پر اثر انداز ہونے کی سازش کی جارہی ہے۔ اس ضمن میں جیو سمیت کئی چینل متحرک کردار ادا کررہے ہیں۔ جنسی درندگی کی طرح یہ "ابلاغی درندگی" کی ایک مثال ہے۔

مسلم معاشرے میں جنسی درندگی کا ایک واقعہ بھی دل دہلا دینے والا ہے۔ اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ اور اس کی روک تھام کے لیے اسلام کی روشنی میں جو کچھ ممکن ہو، کیا جانا چاہیے اور اس سلسلے میں پورے معاشرے کو کردار ادا کرنا چاہیے۔ مگر بدقسمتی سے "مغرب زدگان" کا گروہ زینب کے واقعے کو جس طرح پیش کررہا ہے اور اس سلسلے میں مغرب کی جنسی تعلیم کو جس طرح اس مسئلے کا "علاج" باور کرارہا ہے اُس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ مغرب کے سیکولر اور لبرل ممالک نہ صرف یہ کہ جنسی درندگی سے پاک ہیں بلکہ انہوں نے جنسی تعلیم وغیرہ کے ذریعے اس حوالے سے خود کو "جنت" بنالیا ہے۔ اس کے برعکس تاثر دیا جارہا ہے کہ پاکستان جیسا مذہبی ملک جنسی جرائم کی "آماجگاہ" بنا ہوا ہے، اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پاکستان مغربی ممالک کی طرح "سیکولر اور لبرل" نہیں۔ لیکن کیا واقعتاً مغرب کے سیکولر اور لبرل ممالک خواتین اور بچوں کے تحفظ کے "قلعے" اور ان کی "جنت" ہیں؟ اور کیا یہ ممالک جنسی درندوں کا "جہنم" بنے ہوئے ہیں؟ اور "جنسی تعلیم" نے ان ممالک میں "انقلاب" برپا کیا ہوا ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں۔

امریکہ، سیکولرازم اور لبرل ازم کی ایک جنت ہے۔ امریکہ کو دنیا کی سب سے "مضبوط جمہوریت" کہا جاتا ہے۔ امریکہ دنیا میں "انسانی حقوق" کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ امریکی عدالتی نظام بے مثال ہے۔ امریکہ کی پولیس کا کوئی جواب ہی نہیں۔

امریکہ کے ذرائع ابلاغ امریکی عوام کی آزادی اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کے محافظ ہیں، تاہم امریکہ کے Rape, Abuse, and Incest National Network (RINN) کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ۱۹۹۸ء سے اب تک "Rape" کے ایک کروڑ ۷۷ لاکھ واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔ ان میں سے ۹۹ فی صد واقعات کے ذمے داروں کو سزا نہیں دی جاسکی۔ عصمت دری کا نشانہ بننے والی خواتین میں سے ۱۲ فی صد نے خودکشی کرلی۔

Rape Victims میں ۹۰ فی صد نوجوان خواتین ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر سال Rape کے ۳ لاکھ ۲۱ ہزار ۵ سو واقعات ہوتے ہیں۔ واقعات میں ۱۰ میں سے ۷ افراد کو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں Rape کرنے والا کون ہے۔

امریکہ کی ایک لبرل News and Opinion Website کا نام Huffington Post ہے۔ اس ویب سائٹ کی خواتین امور سے متعلق ایڈیٹر Alanna Vagianos کے ایک مضمون "30 Alarming statistics that show the

”reality of sexual violence“ کے مطابق امریکہ میں ہر ۹۸ سیکنڈ میں کسی نہ کسی پر ایک ”جنسی حملہ“ ہوتا ہے۔ مضمون کے مطابق اس طرح امریکہ میں روزانہ ۵۷۰ افراد جنسی حملوں کا شکار ہوتے ہیں۔ مذکورہ مضمون ۵ مئی ۲۰۱۷ء کو ویب سائٹ پر پوسٹ ہوا۔

سیکولرازم اور لبرل ازم کی جنت امریکہ میں بچوں پر جنسی حملوں کی صورت حال کیا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ امریکہ کے محکمۂ انصاف کی ایک رپورٹ کے مطابق صرف ۲۰۱۲ء کے دوران میں امریکہ میں ۶۲ ہزار ۹۳۹ بچے جنسی حملوں کا نشانہ بنے۔ ان میں سے ۸۵ فی صد بچوں نے حملوں کو رپورٹ ہی نہیں کیا۔ ان میں سے تیس سے چالیس فیصد بچوں کو خاندان کے کسی فرد نے Abuse کیا ہے۔

امریکہ کے محکمۂ انصاف کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۸ء سے اب تک امریکہ میں ۱۸ لاکھ ”نو عمر“ جنسی حملوں کا نشانہ بن چکے ہیں۔

امریکی فوج امریکہ کی اصل قوت ہے۔ امریکی فوج کی تعلیم و تربیت مثالی ہے۔ اس کے نظم و ضبط کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ ۲۸ مئی ۲۰۱۴ء کے نیویارک ٹائمز میں شائع ہونے والی رپورٹ میں امریکہ کے محکمہ دفاع پنٹاگون کے ایک سروے کے حوالے سے انکشاف کیا گیا ہے کہ صرف ۲۰۱۲ء میں امریکی فوج میں ۲۶ ہزار خواتین و حضرات پر جنسی حملے ہوئے۔

ان میں سے صرف ۳۳۷۴ رپورٹ ہوئے۔ ۲۰۱۳ء کی پنٹاگون کی رپورٹ کے مطابق صرف ۵۰۶۱ فوجیوں کے جنسی حملے رپورٹ کیے گئے۔ ان میں سے صرف ۴۸۴ حملوں کے سلسلے میں مقدمات قائم ہوئے اور صرف ۳۷۶ افراد کو سزائیں ہوئیں۔

ہیومن رائٹس واچ کی ۲۰۱۶ء کی رپورٹ کے مطابق جن فوجیوں نے جنسی حملوں کے سلسلے میں شکایات درج کرائیں انہیں بعد ازاں Personality Disorder اور اسی طرح کے الزامات کے تحت ملازمتوں سے فارغ کر دیا گیا۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو امریکہ جنسی درندوں کی جنت اور جنسی درندگی کا شکار ہونے والی خواتین اور بچوں کا جہنم نظر آتا ہے۔

پاکستان کے ”مغرب زدگان“ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ امریکہ کے اسکولوں میں ۱۹۲۰ء سے کسی نہ کسی قسم کی اُس ”جنسی تعلیم“ کا اہتمام کیا جا رہا ہے جسے پاکستان کے کئی ٹیلی وژن چینلز کے مالکان، اینکرز، اداکار اور اداکارائیں پاکستان کے تعلیمی اداروں پر مسلط کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔

یہاں کہنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ امریکہ ایک مثالی سیکولر اور لبرل ریاست ہے۔ اس کا تعلیمی نظام بہترین ہے، اس کی معیشت شاندار ہے، اس کی سماجیات پر ساری دنیا کی رال ٹپک رہی ہے، اس کی پولیس اور نظام انصاف کی مثالیں دی جاتی ہیں، مگر اس کے باوجود امریکہ میں جنسی حملوں کا سیلاب آیا ہوا ہے اور ہر ۹۸ سیکنڈ میں وہاں کوئی نہ کوئی عورت، بچہ یا مرد جنسی حملوں کا نشانہ بن جاتا ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو امریکہ کے ذرائع ابلاغ پر ہر وقت جنسی حملے زیر بحث ہونے چاہئیں، مگر امریکہ میں ان کا ”ذکر“ تک نہیں ہوتا، مگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جہاں ۶۰ فی صد آبادی کی مذہبی یا عام تعلیم کا سرے سے کوئی بندوبست ہی نہیں، جہاں کا تعلیمی نظام فرسودہ ہے، جہاں درجنوں بڑے بڑے معاشی اور سماجی مسائل اور محرومی کی ہولناک نفسیات موجود ہے، وہاں مغرب زدگان چاہ رہے ہیں کہ ایک یا چند واقعات چوبیس گھنٹے ذرائع ابلاغ پر چھائے رہیں،

یہاں تک کہ ایک واقعے کی آڑ میں وہ جنسی تعلیم اسلامی جمہوریہ پاکستان پر مسلط کر دی جائے جو ۱۹۲۰ء سے امریکہ میں غیر موثر بلکہ بچوں میں جنسی انحرافات کو بڑھانے اور معاشرے کو ”جنسی سیلاب“ میں ”غرق“ کرنے کے حوالے سے ”معاونت“ کر رہی ہے۔

امریکہ کی National Research Council کی ۲۰۱۳ء کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں جنسی درندگی کے سیلاب کو دیکھتے ہوئے Rape کے واقعات Under Reporting کا شکار ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

Iowa Law Review میں شائع ہونے والے C.R Young کے ایک مضمون کے مطابق امریکہ میں عصمت دری کے واقعات کے حوالے سے دروغ گوئی کا مقصد یہ دھوکا تخلیق کرنا ہے کہ امریکہ میں تشدد آمیز جرائم پر قابو پانے میں کامیابی ہو رہی ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان کے تمام مغرب زدگان سے عرض ہے کہ وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں کہ وہ پاکستان میں پیدا ہوئے اور ان کا بچپن اور جوانی پاکستان میں گزری۔ ان کا بچپن اور جوانی خدانخواستہ امریکہ میں بسر ہوئی ہوتی تو امریکہ میں جنسی درندگی کے سیلاب کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے مغرب زدگان امریکہ میں یا تو اب تک جنسی اعتبار سے ”Abused“ ہوتے یا ”Abuser“۔ امریکہ میں ۱۹۲۰ء سے کسی نہ کسی صورت میں موجود جنسی تعلیم بھی انہیں تحفظ مہیا نہ کر پاتی۔

لیکن آپ امریکہ کے ”ذکرِ خیر“ سے یہ نہ سمجھیں کہ جنسی درندگی کا سیلاب صرف امریکہ مرکز یا America Centric ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ فرانس یورپ کا سب سے

سیکولر اور لبرل ملک ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف ساڑھے چھ کروڑ آبادی والے ملک فرانس میں ہر سال ۷۵ ہزار Rape Cases ہوتے ہیں۔

تاہم ۲۰۱۲ء کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۲ء میں ان میں سے صرف ۱۲۹۳ کیس رپورٹ ہوئے۔ ۲۰۱۴ء کی ایک رپورٹ کے مطابق فرانس میں عصمت دری کے واقعات میں سے ۵ سے ۷ ہزار واقعات وہ ہوتے ہیں جنہیں Gang Rape کہا جاتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ایسے ہولناک واقعات کو فرانس میں "Pass arounds" کہا جاتا ہے۔ مغرب زدگان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ فرانس میں ۱۹۷۳ء سے جنسی تعلیم اسکولوں کے نصاب کا حصہ ہے۔

آیئے برطانیہ بہادر پر بھی ایک سر سری نظر ڈال لیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق برطانیہ کے صرف دو علاقوں یعنی England اور Wales میں ہر سال عصمت دردی کے ۹۷ ہزار واقعات ہوتے ہیں۔ ان میں سے ۸۵ ہزار خواتین اور ۱۲ ہزار مرد ہوتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ برطانیہ کے صرف دو علاقوں میں ہر گھنٹے میں عصمت دردی کے ۱۱ واقعات رونما ہوتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق عصمت دری کے صرف ۱۵ فی صد واقعات پولیس ریکارڈ کا حصہ بنتے ہیں۔ برطانیہ میں مارچ ۲۰۱۵ء سے جنسی تعلیم کا اہتمام ہو رہا ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو صرف امریکہ نہیں، مغرب کے تمام سیکولر اور لبرل ممالک جنسی درندگی کے سیلاب کی زد میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ دنیا Globalize ہو گئی ہے، چنانچہ کیا ہی اچھا ہو کہ پاکستان کے نیوز چینلز اور شاہ زیب خانزادہ جیسے اینکر دو چار درجن نہیں تو دو چار پروگرام ہی مغرب کی جنسی درندگی کے حوالے سے کر ڈالیں۔

ہمارے مغرب زدہ ٹی وی چینلز اور مغرب زدہ اینکرز اور اداکار وغیرہ معاشرے میں جنسی درندگی پر بڑے "پریشان" ہیں۔ ہونا بھی چاہیے۔ یہ لوگ بھی آخر معاشرے کا حصہ ہیں۔ یہ عناصر معاشرے میں ہونے والی جنسی درندگی کو تو دیکھ رہے ہیں مگر خود نام نہاد Industry Entertainment اور نام نہاد Fashion Industry میں جو ہولناک جنسی درندگی ہو رہی ہے ہمارے ذرائع ابلاغ، ہمارے ٹی وی چینلز، ہمارے اینکرز اور ہمارے اداکار اور اداکارائیں اس کا ذکر بھی نہیں کرتے۔

ڈیلی ڈان کراچی نے ۴ نومبر ۲۰۱۷ء کی اشاعت میں ہالی ووڈ کی Me too مہم سے متاثر ہو کر ایک سطحی مگر ہولناک رپورٹ شائع کی ہے۔ ملک کی معروف اداکارہ بشریٰ انصاری نے ڈان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسے اداکاروں اور اداکارائوں کو جانتی ہیں جو چند سال میں امیر ہو گئے۔ بشریٰ انصاری کے بقول ایسی امارت صرف اداکاری سے ہونے والی آمدنی کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔

پی ٹی وی کی معروف ڈائریکٹر اور اداکارہ ساحرہ کاظمی نے کہا کہ وہ دیکھتی تھیں کہ نئی نوجوان اداکارائیں گھنٹوں ٹی وی کے ڈائریکٹرز اور معروف اداکاروں کے ساتھ کمروں میں بیٹھی ہوئی ہیں اور پھر اچانک وہ لڑکیاں ڈراموں میں اہم کردار ادا کرتی نظر آتی تھیں۔ ساحرہ کاظمی نے کہا کہ یہ ماضی میں بھی ہوتا تھا اور اب بھی ہو رہا ہے۔

مشہور فلم ڈائریکٹر سید نور نے کہا کہ وہ ایسے بہت سے اداکاروں کو جانتے ہیں جو کسی کا بستر گرم کرنے یا ان کے الفاظ میں Casting Couch کا برا نہیں مانتے۔ ان کے بقول کچھ لوگ ایک رات میں امیر اور مشہور ہو جاتے ہیں اور آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی آمدنی کے کچھ اور ذرائع ہیں۔

Event Organizer فریحہ الطاف نے بتایا کہ انہیں اچانک Establish Designer سے کال موصول ہوتی ہے اور وہ کسی "ماڈل" کو شو کا حصہ بنانے کی فرمائش کر دیتے ہیں۔ ان کے بقول اس دائرے میں Male Models کو خواتین ماڈل سے زیادہ "ہراسگی" کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

Stylist صائم راشد نے کہا کہ ماڈلنگ میں اہلیت وصلاحیت یا Talent کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اہمیت ہے تو اس بات کی کہ آپ کسی کو خوش کر سکتے ہیں یا نہیں۔ صائم کے بقول کئی اچھے گھرانوں کے مرد ماڈلز محض اس لیے یہ پیشہ چھوڑ کر چلے گئے کہ وہ، وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے جو اُن سے کہا جا رہا تھا۔

ڈیزائنر ماہین خان نے کہا کہ شو بزنس میں Career Sponsorship اور Award Ceremonies وغیرہ کسی نہ کسی توہین آمیزی پر کھڑی ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ نہیں چاہیں گی کہ ان کی اولاد میں سے کوئی فیشن انڈسٹری میں آئے۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام شہادتیں "ملفوف الفاظ" میں انٹرٹینمنٹ اور فیشن انڈسٹری میں جاری جنسی درندگی کے واقعات کا بیان ہیں۔ ڈان کی رپورٹ کو شائع ہوئے دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے مگر کسی جیو، کسی اے آر وائی، کسی آج، کسی ڈان ٹی وی، کسی شاہ زیب خانزادہ، کسی ماہرہ خان، کسی فیصل قریشی، یہاں تک کہ کسی شہزاد رائے کو اس سلسلے میں احتجاج یا مظاہرے یا ڈسکشن پروگرام کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فیشن انڈسٹری اور انٹرٹینمنٹ انڈسٹری سیکولر، لبرل اور روشن خیال لوگوں کے مراکز ہیں۔ یعنی یہ ادارے خود مغرب زدگی کی علامت ہیں۔ ظاہر ہے کہ مغرب زدگان خود اپنی جیسی مخلوق کے چہرے سے کیوں پردہ اٹھانے لگے؟

اس سے معلوم ہوا کہ مغرب زدگان معصوم اور مظلوم زینب کے سلسلے میں جو ماتم کر رہے ہیں اس میں کوئی اخلاص نہیں، اس میں کوئی جذبہ نہیں، اس میں کوئی پاکستانیت نہیں۔ یہ ماتم صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان پر گندگی اچھالنے کے لیے ہے، صرف مغرب کا ایجنڈا آگے بڑھانے کے لیے ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر پاکستان میں جنسی درندگی کے واقعات کیوں ہو رہے ہیں؟

بلاشبہ پاکستان جنسی درندگی کے سلسلے میں امریکہ اور یورپ میں برپا جنسی درندگی کے سیلاب سے ہزاروں میل دور کھڑا ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستانی معاشرے کی اخلاقی حالت خراب ہے اور مزید خراب ہو رہی ہے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری آبادی کا ۶۰ سے ۷۰ فی صد حصہ کسی بھی مذہبی اور اخلاقی تعلیم و تربیت سے محروم ہے۔ جن لوگوں کو کسی نہ کسی قسم کی مذہبی، اخلاقی یا عام تعلیم میسر ہے وہ جزوی ہے۔

اس سلسلے کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری مذہبیت ظاہر پر تو اثرانداز ہے مگر باطن پر اثرانداز نہیں۔ تہذیبِ نفس و تزکیہ نفس کا خیال تک اکثر لوگوں کے دل سے نکل گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری تعلیم و تربیت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی ہے جنہیں خود تعلیم و تربیت اور تزکیے کی ضرورت ہے۔ ہم خواہ کچھ کہیں، ہمارا تصورِ انسان بدل گیا ہے۔ ہمارا مطلوب اب اچھا انسان نہیں، دنیاوی معنوں میں کامیاب انسان ہے۔ کامیاب انسان اپنی اصل میں ایک مغربی یا سیکولر تصور ہے۔

رہی سہی کسر ذرائع ابلاغ نے پوری کر دی ہے۔ انہوں نے معاشرے میں عورت کو صرف جنس کی علامت یا Sex Symbol کے طور پر پیش کیا ہوا ہے۔ ہماری فلمیں، ہمارے ڈرامے، ہمارے اشتہارات، ہماری موسیقی غرضیکہ ہر چیز پر Sex Symbols کا غلبہ ہے۔

اس صورت حال نے ایسے کروڑوں مردوں کی جنسی بھوک کو بہت بڑھا دیا ہے جو روحانی، اخلاقی، تہذیبی، نفسیاتی، جذباتی اور ذہنی طور پر کمزور ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ معاشرے میں دولت کا جنون پیدا کرکے اور معاشرے کو دولت کے مظاہر سے بھر کر غریبوں اور مفلسوں سے یہ توقع کی جائے کہ وہ پیسہ کمانے کے لیے چوری نہیں کریں گے، ڈاکے نہیں ڈالیں گے۔

ہمارے معاشرے کا المیہ ملاحظہ کیجیے کہ ذرائع ابلاغ میں کئی دن تک معصوم اور مظلوم زینب کے ساتھ ہونے والی جنسی درندگی اور اس کا سفاکانہ قتل زیر بحث رہا مگر کسی سیاسی رہنما، کسی اخبار، کسی ٹیلی وژن اور کسی دانش ور نے یہ نہ کہا کہ اس صورت حال کا ذمے دار ہمارا حکمران طبقہ ہے جس نے معاشرے کی مذہبی، اخلاقی، تہذیبی اور تعلیمی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے گزشتہ ۷۰ سال سے کچھ نہ کیا۔

کسی نے یہ نہ کہا کہ ہماری مذہبیت صرف ظاہر کو کیوں مذہبی بنا رہی ہے؟ وہ ہمارے باطن کو کیوں نہیں بدل رہی؟ کسی نے یہ نہ کہا کہ فلموں، انٹرنیٹ اور ٹیلی وژن چینلز نے پورے معاشرے میں جنسی انارکی پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

سوال یہ ہے کہ نفسِ امارہ سے اٹے ہوئے معاشرے میں نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ کے مظاہر کیسے نمودار ہوں گے؟ آخر کیکر کے درخت سے انگور توڑنے کی آرزو کہاں کی صحیح الدماغی ہے؟

بلاشبہ انسانوں کی ایک قسم ایسی ہے جو صرف "خوف کی زبان" سمجھتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے معاشرے کے نظام انصاف کو درست کرنے اور مجرموں کو بروقت سخت سزائیں دینے کی ضرورت ہے۔

ہمارے سیاست دانوں، ہمارے دانشوروں اور ہمارے ذرائع ابلاغ میں سے کسی نے ان معاملات پر غور کرکے نہیں دیا۔ غور نہیں کیا تو ان نکات کا تذکرہ کون کرتا! ہوا صرف یہ ہے کہ ٹیلی وژن چینلز نے رائے سازوں کے ذہن، ان کے تجزیے کی صلاحیت اور رائے کو اغوا کرلیا اور پورا معاشرہ مغرب زدگان کی زبان بولتا ہوا نظر آیا۔

بدقسمتی سے اس سلسلے میں معاشرے کے اہم طبقات کو یہ خیال ہی نہ آیا کہ اصل کھیل کیا چل رہا ہے؟ اس سلسلے میں بعض چیزیں مریم اورنگ زیب، شہزاد رائے، شاہ زیب خانزادہ اور کئی چینلز کی خصوصی نشریات کے حوالے سے طشت از بام ہو چکی ہیں، لیکن اس سلسلے میں سابق سوشلسٹ دانشور اور میاں نواز شریف کے غیر اعلانیہ مشیر وجاہت مسعود نے ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء کے جنگ میں شائع ہونے والے اپنے کالم میں اصل بات کہہ دی ہے۔ وجاہت مسعود نے کیا لکھا، انہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:

"یہ پہلی نسل ہے جسے پوسٹ پِل (Post Pill) اور پوسٹ پورن (Post Porn) نسل کہنا چاہیے۔ یہ سوچنا خام خیالی ہے کہ ہمارے نوجوان آج کی

دنیا کے حقائق سے بے خبر ہیں۔موبائل فون نے ہمارے نچلے طبقے کی مفروضہ اقدار کی قبا تار تار کر ڈالی ہے... ہمیں اپنی جنسی اقدار پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کر کے نئی حدود متعین کرنے کی ضرورت ہے... تقدیسِ مشرق کا افسانہ پامال ہو چکا۔اس افسانے کے ثناخواں طبقے سے معاشرتی ویٹو کا حق واپس لینا آج کے پاکستان کا تقاضا ہے، اس سے ہمارے بچے زیادہ محفوظ ہو سکیں گے"۔

جس طرح زلزلے یا سیلاب آنے سے ہمارے حکمران طبقوں کے افراد یہ سوچ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بیرونی امداد آئے گی اور مال بٹورنے کے امکانات پیدا ہوں گے، اسی طرح وجاہت مسعود اس بات پر جھوم رہے ہیں کہ پاکستان میں بھی جنسی انحرافات کا سیلاب آ گیا ہے یا آنے والا ہے، اب دیکھیں گے کہ مذہب اور اس کی اقدار کیسے زندہ رہیں گی۔

جو قارئین وجاہت مسعود کی اصطلاحوں Post Pill اورPost Porn کا مطلب نہ سمجھے ہوں ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ Post Pill معاشرے سے مراد وہ معاشرہ ہے جس میں جنسی تعلقات اس لیے آسان ہو گئے ہیں کہ مانع حمل گولیاں ایجاد ہو چکی ہیں اور اب زنا کے نتیجے میں حمل رہنے کے امکانات ختم یا بہت کم ہو گئے ہیں، چنانچہ نوجوان پوری بے خوفی کے ساتھ زنا کر سکتے ہیں۔

Post Porn کا مطلب یہ ہے کہ عریاں فلموں یا Pornography کو عام ہوئے عرصہ ہو گیا ہے اور ان فلموں کو دیکھ کر ایک ایسی نسل ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے جو جنس کے سلسلے میں مذہبی اخلاقیات کی قائل ہی نہیں رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ہولناک سانحہ ہے مگر وجاہت مسعود اس سانحے پر مسرور ہیں اور اُن کا کہنا ہے کہ اب ہمیں جنسی اقدار کے سلسلے میں نئی حدود مقرر کرنی ہوں گی، مطلب یہ کہ اب ہمیں آزاد جنسی تعلقات کو قبول کرنا ہو گا، بالکل اسی طرح جس طرح ترقی یافتہ اہلِ مغرب نے کیا۔اس سے اگلے مرحلے پر ہمیں ہم جنس پرستی کو بھی قبول کرنا ہو گا، وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

مظلوم زینب کی آڑ میں برپا ہونے والی "مغرب زدگان" کی آہ و بکا کا اصل ایجنڈا یہ ہے۔دیکھا جائے تو وجاہت مسعود اور ان جیسے اسلام بے زار لوگ کہہ رہے ہیں کہ اب اسلام کی مطلق اخلاقیات یا Absolute Morality نہیں چلے گی۔مگر مسئلہ یہ ہے کہ جو اخلاقیات مطلق نہ ہو وہ اخلاقیات نہیں اخلاقیات کی پیروڈی ہے۔

دوسری بات یہ کہ وجاہت مسعود کہہ رہے ہیں کہ اگر معاشرے کو سرطان کا مرض لاحق ہو گیا ہے تو اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔"سرطان"یعنی Post Pill اور Post Porn معاشرہ ایک حقیقت ہے، بس اس کو مانو، قبول کرو، اپناؤ، بلکہ اس معاشرے کے ظہور کی خوشی مناؤ، اس سرطان کے علاج کی کوشش نہ کرو۔

وجاہت مسعود کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے معاشرے کو چوری، ڈاکے، قتل، اغواء، منشیات کی لت، یہاں تک کہ طاقتور کے ظلم، جبر اور غلامی کو بھی قبول کر لینا چاہیے، اس لیے کہ یہ تمام چیزیں بھی "حقائق" کا درجہ رکھتی ہیں۔

یہاں کہنے کی بات یہ بھی ہے کہ وجاہت مسعود نے اسلام کو سوشلزم سمجھ لیا ہے جو بے چارہ ۷۰ سے زیادہ نہ جی سکا۔اسلام ایک ابدی حقیقت ہے۔مسلمانوں کی روحانی، اخلاقی اور تہذیبی قوت کمزور تو پڑتی رہی ہے مگر فنا کبھی نہیں ہوئی۔کیا وجاہت مسعود نہیں دیکھ رہے کہ اسلام مغرب کے جنس کے سیلاب میں ڈوبے ہوئے Post Pill اور Post Porn معاشروں میں لاکھوں مقامی امریکیوں اور یورپی باشندوں کو مسلمان کر چکا ہے۔یہ کمال اس وقت ہو رہا ہے جب مسلمانوں کے حقیقی نمائندوں کے پاس نہ سیاسی اقتدار ہے، نہ معاشی طاقت ہے، نہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی قوت ہے، نہ ابلاغی ذرائع کا سرمایہ ہے۔چنانچہ اسلام اور اس کے پیروکار وجاہت مسعود اور ان جیسی ذہنیت کے حامل لوگوں کے سینوں پر مونگ دلتے رہیں گے۔

ہمیں حیرت ہے کہ معاشرے کے مذہبی طبقات نہ مغرب کے مقامی آلہ کاروں کے ایجنڈے کو سمجھ رہے ہیں اور نہ وہ معاشرے میں جنسی انحرافات کے سیلاب کو روکنے کے لیے کچھ کر رہے ہیں۔مذہبی طبقات سب کو خدا اور اس کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

ہم مذہبی طبقات اور نمائندوں کو خبردار کرتے ہیں کہ آپ مذہب کے بڑے بڑے دعوے لے کر کھڑے ہیں، آپ ان دعووں کے مطابق عمل نہیں کریں گے تو آپ پر خدا دنیا میں ہی نہیں آخرت میں بھی ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو عام لوگوں پر مسلط کی جانے والی ذلت سے کہیں زیادہ ہو گی۔

"یہ وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے کہ کلمہ حق کو امت پر واضح کیا جائے اور اسے یہ باور کرایا جائے کہ دہشت گردی کے نام پر اس پر مسلط کی جانے والی جنگ در حقیقت اسلام اور شریعت کے خلاف جنگ ہے"۔
شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ

سانحہ لال مسجد کے بارہ سال!

حذیفہ خالد

سانحہ لال مسجد کو بارہ سال مکمل ہوئے... اس عرصہ میں پاکستان میں بہت کچھ بدل گیا... وہ لوگ جو لال مسجد سانحے کی ذمہ داری پرویز مشرف کے غلط فیصلوں پر ڈال کر پاکستانی افواج کو بری الذمہ قرار دینے پر تلے ہوئے تھے آج ان کی زبانیں گنگ ہیں کیونکہ جن جرائم کی کھلم کھلا ابتدا پرویز مشرف نے کی، کیانی سے ہوتے ہوئے، راحیل شریف اور اب قمر باجوہ کے دور میں پچھلے تمام ریکارڈ توڑے جا رہے ہیں... اسلام دشمنی کی حدوں کو عبور کرتے ہوئے ایسے کون سے اقدام رہ گئے تھے جو موجودہ حکومت اور اس کی پشت پر موجود فوج نے نہ کیے ہوں...

اگر اب بھی کوئی یہ سمجھے کہ یہ پالیسی اور اسلام دشمنی صرف چند جرنیلوں اور شخصیات تک محدود ہے اور ان کے ہٹ جانے سے معاملات سدھر جائیں گے تو ایسا سوچنا کسی دیوانے کا خواب ہی ہو سکتا ہے... سچ پوچھئے تو لال مسجد سانحہ کے وقت سے لے کر ایک عرصے تک دجالی میڈیا کے پھیلائے گئے پروپیگنڈے اور شکوک و شبہات نے نہ صرف عام عوام بلکہ دینی سوچ اور فکر کے حامل ذہنوں کو بھی ماؤف رکھا لیکن بالآخر اس دھند نے چھٹنا ہی تھا...

لال مسجد کی تحریک کے خلاف کیے گئے پروپیگنڈہ کے جواب میں پہلی مدلل تحریر جو نظر سے گزری وہ ایک کتابچہ 'سانحہ لال مسجد ہم پر کیا گزری' تھا جو ام حسان صاحبہ کی تحریر تھی... بظاہر پاکستانی میڈیا نے حتی الامکان کوشش کی کہ تصویر کا ایک ہی رخ دکھایا جائے لیکن پھر بھی کبھی کبھار کوئی خبر، کوئی انٹرویو یا کوئی تحریر فوج اور حکومت کے پھیلائے گئے جھوٹ کے پردے چاک کرتی رہی... کچھ عرصہ قبل مولانا ابوالحسن ہزاروی صاحب کی کتاب 'جامعہ حفصہ کی کہانی طالبات کی زبانی' پڑھنے کا اتفاق ہوا... مصنف نے نہایت عرق ریزی سے تقریباً ہر تحریر کالم مضمون، خبروں اور اس کے علاوہ شہید ہونے والے طلبہ و طالبات کے حالات زندگی اور وصیتوں کو جمع کیا ہے... کتاب پڑھتے وقت بار بار آنسوؤں کا جاری ہونا کسی آزمائش سے کم نہ تھا اس لیے کتاب کا مطالعہ تنہائی میں ہی کرنا پڑا...

اس گئے گزرے دور میں لال مسجد و جامعہ حفصہ کے طلبہ و طالبات 'صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت کو زندہ کر کے ہمارے لیے ایسی مثالیں چھوڑ گئے اور عزیمتوں کی ایسی داستان رقم کر گئے جس سے ہر اہل ایمان شخص کے قلب کو حرارت ملتی رہے گی... پاکستان پر مسلط شیطانی نظام کے محافظین اور مددگاروں کے لیے آج تک لال مسجد کے طلبا و طالبات کی تحریک کسی ڈراؤنے خواب سے کم نہیں جو تواتر سے ان کا پیچھا کرتی ہے...

چند سال قبل حیدرآباد کے رہائشی ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ ان کے اہل محلہ نے ایک مسجد کی تعمیر کے دوران فیصلہ کیا کہ مسجد کا رنگ لال مسجد سے مماثلت رکھتا ہو تاکہ لال مسجد والوں سے اپنی محبت کا اظہار کیا جا سکے... اس منصوبے کی بھنک کہیں سے علاقے میں موجود ایم کیو ایم کے غنڈوں کو ہو گئی جس پر پولیس والوں کی مدد سے مسجد کی تعمیر رکوائی گئی اور اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ مسجد کی تعمیر میں لال مسجد سے کسی بھی طرح کی مماثلت اختیار نہ کی جائے...

پاکستان میں موجود غیر ملکی فنڈز پر پلنے والی این جی اوز جو خواتین کو آزادی دلوانے کے لیے کوشاں رہتی ہیں ان کا معیار بھی عجیب ہے... ایک عورت اگر فحاشی کی دعوت دینے کے لیے گھر سے نکلے تو وہ ان تنظیموں کی آنکھ کا تارا بن جاتی ہے لیکن اگر جامعہ حفصہ کی طالبات معاشرے کو فحاشی سے پاک کرنے کے لیے صرف دعوتی مہم چلائیں تو یہ تنظیمیں کمر کستے ہوئے میدان میں کودتی ہیں اور حکومت کو یاد دلاتی ہیں کہ شدت پسندی کو فروغ دیا جا رہا ہے اور ریاست کی رٹ چیلنج ہو رہی ہے...

واضح رہے کہ اس دعوتی تحریک میں سی ڈیز سنٹر مالکان کو خطوط و پمفلٹ کے ذریعے ان کے مکروہ کاروبار کے معاشرے پر اثرات کو بیان کیا گیا... طلبا و طالبات کی دعوت سے متاثر ہو کر جن اشخاص نے آزادی اور اپنی مرضی سے اس کاروبار سے توبہ کی اور دوسرے لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لیے خود لاکھوں روپے مالیت کی سی ڈیز نذر آتش کیں، شیطان کے پیروکاروں کو یہ بات کہاں ہضم ہو سکتی تھی... لہٰذا یہ عمل جس میں کسی طرح کی بھی زور زبردستی شامل نہیں تھی، اس کو ریاست کی رِٹ چیلنج کرنا قرار دیا گیا جبکہ یہ تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وہ فریضہ تھا جس کے لیے قرآن و حدیث میں بار بار تاکید کی گئی ہے اور جس سے غفلت اور کوتاہی بدترین عذابوں کی وعیدیں دی گئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے...
> میری امت کے کچھ لوگ اپنی قبروں سے بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں نکلیں گے (یہ وہ لوگ ہوں گے) جنھوں نے گناہ کرنے والوں کے ساتھ مداہنت سے کام لیا (ان کو روکنے کی کوشش نہیں کی) اور نہی عن المنکر کرنے سے خاموش رہے، باوجود طاقت کے"...

[تفسیر الدر المنثور فی تاویل بالماثور الجز ۳، فی تفسیر سورہ المائدہ ۷۸، ۷۹]

ایک حدیث جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اولاً جو کمزوری رونما ہوئی یہ تھی کہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتا اور اس کہتا: اے بندۂ خدا! تو اللہ سے ڈر اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے، یہ تیرے لیے حلال نہیں ہے پھر دوسرے دن اس کو اسی حالت میں پاتا تو اس کو نہ روکتا بلکہ وہ اس کے ساتھ کھانے پینے میں شامل ہو جاتا، جب انہوں نے یہ کیا تو اللہ پاک نے ان کے دلوں کو ایک جیسا کر دیا... (یعنی ان کے دل زنگ آلود اور سخت ہو گئے) پھر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارشاد خداوندی ہے ”جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی...یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے بلاشبہ برا کرتے تھے تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے برا ہے (وہ یہ) کہ اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے اور اگر وہ اللہ پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی اس پر یقین رکھتے تو ان لوگوں کو دوست نہ بناتے بلکہ ان میں اکثر بدکردار ہیں“... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں خدا کی قسم تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور ظالم کے ہاتھ کو روکو اور اس حق بات پر آمادہ کرو اور اس پر پابندی کرو وگرنہ اللہ تعالی تمہارے سب کے دلوں کو یکساں کر دے گا پھر تم پر لعنت اتار دے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر لعنت کی...(ابوداؤد و ترمذی)۔

آج پاکستان میں سیاسی جماعتیں اپنے شیطان صفت رہ نماؤں کی ادنیٰ ترین گستاخیوں پر بھی پورے شہر کو جام کرنے اور یرغمال بنانے سے گریز نہیں کرتیں اور جس سے ریاست کی رٹ بھی چیلنج نہیں ہوتی لیکن اگر جامعہ حفصہ کی طالبات سات مسجدوں کی شہادت اور ۸۰ سے زائد مساجد کو سیکورٹی رسک قرار دے کر انہدام کے نوٹس دیے جانے کے جواب میں ایک لائبریری کو احتجاجاً یرغمال بناتی ہیں تاکہ مسئلہ کو ملکی سطح پر اٹھایا جاسکے اور مسجدوں کی شہادت رکوا کر شہید ہونے والی مساجد کی دوبارہ تعمیر کا مطالبہ منوایا جاسکے تو کیا یہ ایسا ناقابل معافی جرم تھا جس کی پاداش میں ان کو آگ و خون میں نہلا کر ان کی لاشوں کو قرآن و احادیث کے جلے ہوئے اوراق سمیت نالوں میں بہا دیا جائے...

کیا مساجد کی شہادت رکوانا صرف غازی عبدالرشید رحمہ اللہ، غازی عبدالعزیز اور جامعہ حفصہ کی طالبات کی ذمہ داری تھی؟ کلمہ کے نام پر وجود میں آنے والے ملک پاکستان میں اس بھولے وعدے شریعت کے نفاذ کی یاد دہانی کرانے سے ریاست کی رٹ چیلنج ہوگئی؟ اگر انصاف پسندی سے صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو گیارہ ستمبر کے بعد افغانستان پر امریکی حملوں نے جس طرح صلیبی ایجنٹوں کے نقاب کو نوچ پھینکا، لال مسجد کے سانحے نے بھی اسی طرح رہی سہی کسر پوری کی اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ پاکستان میں شریعت کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ پاکستانی فوج ہی ہے...ملک ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ جائے، معاشی دیوالیہ ہوتا ہے تو ہو جائے لیکن جس نظام کو عالمی استعماری طاقتوں نے دجال کی راہ ہموار کرنے کے لیے پاکستان میں مسلط کیا ہے، یہ نسل در نسل غلام ٹولہ اس کی حفاظت پر مر مٹنے کی قسم کھائے بیٹھا ہے...

شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جس دن اخبارات ایسی خبروں سے خالی ہوں، کہ ماں نے غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بچوں سمیت زہر کھا کر خودکشی کر لی، اجتماعی زیادتی، چوری ڈکیتی، قتل و غارت گری غرض معاشرہ کسی جنگل سے کم نہیں لگتا...دوسری طرف ان مسائل کے حل اور مظالم کی روک تھام نہ تو حکومت اور سیکورٹی اداروں کی ترجیحات میں شامل ہے اور نہ ہی عدلیہ کا کردار اس ضمن میں تسلی بخش ہے... نتیجتاً جن حالات کا شکار آج پاکستانی عوام ہے وہ کسی عذاب سے کم نہیں۔ شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ”یہ بدحالی اور عذاب جس طرح انفرادی سطح پر حق سے منہ پھیرنے والوں کا مقدر ہوتا ہے اسی طرح معاشروں اور حکومتوں کی سطح پر بھی اگر اسلامی شریعت سے اعراض و انحراف کیا جائے اور ہلاکت و بربادی اور اتباع نفس کی راہ اختیار کی جائے تو اس کا نتیجہ بھی تنگی و عذاب اور ذلت و انحطاط کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے ظاہر ہے کہ جب آپ آسمان و زمین کے خالق اور عالم الغیب جل جلالہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر لاعلم و جاہل انسان کے بنائے ہوئے قوانین و نظام رائج کریں گے تو زمین میں فساد ہی برپا ہوگا“...

(شمشیر بے نیام)

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ جس پاکیزہ مقصد کے حصول کی خاطر ہماری بہنوں نے وقت اے فرعونوں کے سامنے جھکنے کی بجائے شہادت کو ترجیح دی، شریعت یا شہادت کے اس عظیم مقصد اور اس کی دعوت کو عوام میں عام کیا جائے...یہ شیطانی نظام جو آج اپنی آخری سانسیں لے رہا ہے، اور آج نہیں تو کل اس نے ٹوٹ کر بکھرنا ہی ہے اور اس کی جگہ اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ نظام نے ہی لینی ہے تو کیا یہ مناسب نہیں کہ مستقبل کی اس یقینی فتح میں ہمارا بھی حصہ شامل ہو جائے!!!

☆☆☆☆☆

مال غنیمت بعد از فتح لال مسجد و جامعہ حفصہ (۳تا۱۰ جولائی مشرف آپریشن)

جامعہ حفصہ آپریشن کے بعد ڈپٹی کمشنر اسلام آباد نے جامعہ کی طالبات سے کہا کہ جامعہ کی طالبات کی امانتیں سپورٹ کمپلیکس میں رکھی ہیں آ کر لے جائیں، جب طالبات وہاں پہنچی تو تباہ شدہ سامان پڑا تھا۔ اس موقعہ پر ایک طالبہ نے حکومت سے کہا:

> ”جب حکومت نے جامعہ حفصہ فتح کیا ہے۔ فوج وکٹری کا نشان بناتے ہوئے جامعہ کے کھنڈرات سے باہر آئی۔ پرویز مشرف نے مبارکباد دی تو اصولی طور پر یہ سارا سامان مال غنیمت ہے۔ اسے بہادر فوج میں تقسیم کرنا چاہیے جنہوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر لال قلعہ فتح کیا ہے۔ مختصر لباس میں گھومنے والی ان کی بہنوں بیٹیوں اور بیویوں کو شائد ستر ڈھانپنے کو کوئی چادر مل جائے“۔
>
> ”کم از کم بچیوں کے خون آلود جوتے، کپڑے، چادریں، برقعے اور دوسرا سامان اپنے ڈرائنگ روم میں سجا کر رکھ سکتے ہیں تاکہ آنے والی نسلیں انہیں دیکھ کر اپنے اجداد کے اس عظیم کارنامے کو یاد رکھ سکیں۔ جیسا کہ بنگلہ دیش کے دارالحکومت ڈھاکہ کے میوزیم میں سجیلے جوانوں کے عظیم کارنامے محفوظ ہیں“۔

اسرائیل کو تسلیم کرنے کی جلدی کیوں؟

راجہ محمد منصور

قومِ یہود نے بھی کیا عجب خصلت پائی ہے کہ جہاں بھی گئے، اپنی عیاری، مکاری، انسانیت دشمنی اور دجل وفریب کی داستاں چھوڑ آئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انہیں جب بھی کہیں سکون سے بیٹھنے کی ذرا سی بھی جگہ نصیب ہوئی، ان کی رگِ شیطنت پھڑک اٹھی اور انہوں نے اپنے محسنین کی ہی جڑیں کاٹنی شروع کر دیں۔ بغداد میں انہیں برابر کے حقوق حاصل تھے۔ انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد میں تھگلی لگا کر اسے جڑ سے اکھیڑنا چاہا، لیکن جب دیکھا کہ عبداللہ کے دُرِ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے اس دینِ مبین کا محافظ خود خدائے بزرگ وبرتر ہے تو انہوں نے اپنی سازشی سرگرمیوں کا نشانہ اپنے محسنین یعنی عباسی خلفاء کو بنالیا اور بالآخر ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی اینٹ سے اینٹ ٹکرا کر ہی دم لیا۔ روم نے انہیں پناہ دی تو اس عظیم سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس پر عیسائیت کی چھاپ لگا دی۔ ہسپانیہ میں انہیں اس قدر عروج حاصل ہوا کہ ان کے پیروکار مقتدر عہدوں تک پہنچے، بلکہ انہیں وزیرِ اعظم تک کے منصب سے نوازا گیا، لیکن انہوں نے ہسپانیہ سے اسلام کو برطرف کر کے مسلمانوں کا قتلِ عام کرایا۔ فرانس میں انقلاب برپا کرا کے اپنے لیے شہری حقوق اور بادشاہت کے لیے تختہ دار حاصل کیا۔ روس نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی تو انہوں نے زارِ روس اور اس کے خاندان کے لیے موت کا پروانہ جاری کرا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قوم ہر دور میں راندۂ درگاہ رہی۔

مشہور امریکی مصنف اینڈریو کیر نگٹن ہچکاک کی بیسٹ سیلر کتاب **The Synagogue Of Satan** کے دیباچہ میں ٹیکس مارس لکھتا ہے:

> ''اس کرۂ ارض پر ہونے والی خوں ریزی کا ذمہ دار صرف اور صرف ایک گروہ ہے۔ اس شیطانی گروہ کی تعداد قلیل ہے لیکن اس کی مثال آکٹوپس کی طرح ہے، جس نے اپنے بے شمار پنجوں سے ساری انسانیت کو جکڑ رکھا ہے۔ امریکہ اور پورا محکمہ داخلہ وخارجہ ان کے تابع فرمان رہنے پر مجبور ہیں۔ جس شیطانی گروہ کا میں حوالہ دے رہا ہوں آج کی دنیا اس کی ڈگڈگی پر بندر کی طرح ناچ رہی ہے''۔

اس دیباچے میں پروفیسر جیمز پیٹرس کی کتاب **The Power Of Israel In The United States** کا حوالہ دیا گیا ہے، جو بات کو مزید کھول کر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''یہودی امریکی آبادی کا بمشکل ۲.۲ فیصد ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امیر ترین امریکیوں میں سے ۲۵ سے ۳۰ فیصد یہودی ہیں۔ انہوں نے امریکی حکومت پر دہشت طاری کی ہوئی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو کبھی جنگ کے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں، کبھی ٹھنڈا رکھتے ہیں۔ کبھی دنیا کی معیشت کو اوپر اور کبھی نیچے لے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے امریکی مسلح افواج کو مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی مفادات کا نگہبان بنا کر بٹھا رکھا ہے۔ یہ لوگ جب چاہتے ہیں امریکہ کو دنیا کے کسی بھی حصے میں جنگ میں جھونک دیتے ہیں اور ان کا حکم ہوتا ہے تو امریکی جنگ سے باہر نکل آتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ آج امریکی عظیم اسرائیل کی ایک کالونی بن چکا ہے، جس کی حیثیت اسرائیل کے باڈی گارڈ اور جلاد سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہم امریکی ان یہودیوں کے کرائے کے سپاہی ہیں۔ اسرائیلی ہمارے کیمپ کمانڈنٹ ہیں، جن کے حکم پر ہم دنیا بھر کے بے گناہ انسانوں کا بلادریغ قتل کرتے ہیں''۔

اینڈریو کیر نگٹن ہچکاک نے اپنی کتاب میں قومِ یہود کی ملک بدریوں کی پوری تفصیل دی ہے۔ ۱۲۹۰ء میں انہیں برطانوی بادشاہ کنگ ایڈورڈاول کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے پر انگلینڈ سے نکال دیا گیا۔ ۱۶۴۹ء میں اولیور کرامویل نے ان کا برطانیہ میں دوبارہ داخلہ ممکن بنایا۔ لیکن یہ لوگ پھر بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے۔ چنانچہ ۱۶۸۸ء میں انگلینڈ میں باقاعدہ قانون سازی کی گئی کہ یہودیوں کو وہاں سے نکال کر ان کے داخلے پر پابندی لگا دی جائے۔ اگلے ۳۳ برس وہ قانون نافذ رہا۔ بالآخر ۳۳ برس بعد یہودیوں نے اپنے ایک ڈچ شہزادے کے ذریعے برطانیہ میں اپنا دوبارہ داخلہ ممکن بنایا۔ انگلینڈ کے علاوہ بھی کئی ممالک میں وقتاً فوقتاً یہود کو ملک بدر کیا جاتا رہا ہے، جن کی تفصیل ایڈریو کیر نگٹن ہچکاک نے یوں بیان کی ہے کہ یہود کو ۱۱۸۲ء میں فرانس، ۱۲۷۶ میں بولیویا، ۱۲۹۰ء میں انگلینڈ، ۱۳۰۶، ۱۳۲۲ء اور ۱۳۴۹ء میں فرانس، ۱۳۶۰ میں ہنگری، ۱۳۷۰ میں بلجیم، ۱۳۸۰ء میں سلواکیہ، ۱۴۲۰ء میں آسٹریا، ۱۴۴۴ء میں ہالینڈ، ۱۴۹۵ء میں لٹونیا، ۱۴۹۶ء میں پرتگال اور نیپلز، ۱۵۴۰ء میں اٹلی، ۱۵۴۱ء اور ۱۵۵۷ء میں پراگ، ۱۶۶۹ء میں ویانا، ۱۷۴۴ء میں سلواکیہ اور ۱۸۹۱ء میں ماسکو سے نکالا گیا۔ اس تفصیل کے بعد اینڈریو کیر نگٹن ہچکاک نے ایک یہودی مصنف کا حوالہ پیش کیا، جس کا کہنا تھا کہ:

> ''اگر یہودیوں کو کسی ایک ملک سے ایک مذہب یا ایک مخصوص نسل کے لوگوں نے اسی طرح بار بار بے دخل کیا ہوتا تو ان پر متعصب ہونے کا الزام لگایا جا سکتا تھا۔ لیکن مختلف ممالک، مختلف مذاہب اور مختلف نسلوں کے لوگوں نے یہ سب کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ برائی کی جڑ ''اسرائیل'' ہے، اسرائیل کے خلاف لڑنے والے نہیں''۔

دنیا کی اقتصادیات پر قبضہ اور اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر ہر قسم کی دہشت گردی اور مختلف قوموں اور ملکوں کو آپس میں لڑانا قومِ یہود کے خاص اہداف رہے ہیں۔ انہوں نے بینک آف انگلینڈ اور سینٹرل بینک آف یونائیٹڈ اسٹیٹس قائم کر کے برطانیہ وامریکہ کی رگِ

جاں کو اپنے پنجے میں جکڑ لیا۔ امریکہ صدر تھامس جیفرسن نے امریکی معیشت کو یہود کے شکنجے سے آزاد کرانے کی کوشش کی تو انہوں نے ۱۸۱۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کی جنگ شروع کرادی۔ امریکی صدر اینڈریو جیکسن نے سینٹرل بینک کو امریکہ سے نکالنے کی کوشش کی تو اس پر قاتلانہ حملہ کرادیا۔ امریکہ کو یہود کی معاشی دہشت گردی سے نجات دلانے کے لیے کوشاں صدر ابراہم لنکن نے تو ۱۸۶۵ء میں کانگریس سے اپنے سالانہ خطاب میں واضح الفاظ میں کہا کہ:

"مجھے دو خطرناک دشمنوں کا سامنا ہے۔ میرے سامنے نادرن آرمی ہے اور مالیاتی ادارے میری پشت سے حملہ کر رہے ہیں۔ ان دونوں میں میرا زیادہ خطرناک دشمن میری پشت پر ہے"۔

اور پھر دوسری بار عہدۂ صدارت سنبھالنے کے محض ۴۰ روز بعد ابراہم لنکن ایک قاتلانہ حملے میں مارا گیا۔

اینڈریو کیر نگٹن ہچکاک کے مطابق اہم بات یہ ہے کہ گزرتے وقت کے ساتھ یہودیوں کی پالیسیوں اور اہداف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ نپولین کے دور میں یہود فرانس اور برطانیہ کو یکساں طور پر سرمایہ فراہم کرکے آپس میں لڑاتے رہے۔ موجودہ دور میں اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد سری لنکن سیکورٹی فورسز اور تامل باغیوں کو ایک ہی وقت میں اور ایک ہی ٹریننگ سکول میں ایک دوسرے کے قتل عام کے لیے تین تین ہفتے کا تربیتی کورس کراتی رہی۔ ۱۸۳۹ء میں چین کے مانچو حکمرانوں نے چینی قوم کو افیمی بنانے کی یہودی سازش روکنے کی کوشش کی تو برطانیہ اور چین کی لڑائی کرادی گی، جس میں ہزاروں افراد مارے گئے۔ بالآخر چار سالہ جنگ کے بعد مانچو حکمرانوں کو اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے چین میں افیون کی تجارت کو قانونی تحفظ دینا پڑا۔

۱۸۳۵ء سے ۱۸۵۳ء تک جدید الجزائر کے بانی امیر عبد القادر الجزائری فرانسیسیوں کے خلاف جنگ آزادی لڑتے رہے۔ اس دوران میں ایک طرف یہودی تاجر امیر عبد القادر الجزائری کو اسلحہ فروخت کرتے رہے اور دوسری طرف اُن کے خلاف فرانسیسیوں کو مخبری بھی کیا کرتے تھے۔ طالبان حکومت سے پہلے افغانستان دنیا کی کل ہیروئن کا ۷۵ فیصد پیدا کررہا تھا۔ ۲۰۰۰ء میں امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ نے افغانستان میں پوست کی کاشت پر پابندی لگادی، جس پر یہود تلملا اٹھے۔ اینڈریو کیر نگٹن ہچکاک کا دعویٰ ہے کہ ۲۰۰۱ء میں افغانستان پر امریکی حملہ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی۔ یہ یہود ہی تھے جو ایک طرف کارل مارکس سے کمیونزم اور دوسری طرف فرینکفرٹ کے رہائشی کارل رٹر سے جبریت کے بارے میں کتابیں لکھواتے تھے، جس کے نتیجے میں کمیونزم، فاشزم اور نازی ازم جیسے فلسفوں نے جنم لیا اور نتیجتاً دنیا کو جنگِ عظیم اول و دوم کی تباہ کاریوں سے دوچار ہونا پڑا۔

تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ گریٹر اسرائیل منصوبے کی تکمیل کی جانب تیزی سے پیش رفت جاری ہے۔ اس سلسلے میں فوری طور پر دو بڑے منصوبوں پر عملدرآمد شروع ہو چکا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کی صورت حال پر گہری نظر رکھنے والے باخبر ذرائع کے مطابق پہلا منصوبہ تل ابیب سے گوادر کے بالمقابل واقع سلطنتِ اومان تک ریلوے لائن بچھانے کا ہے۔ اسرائیل یہ لائن بچھانے کا فیصلہ کرچکا ہے، صرف اعلان باقی ہے، جس کے لیے مناسب وقت کا انتظار کیا جارہا ہے۔ اس منصوبے کے لیے ساری فنڈنگ امریکہ کرے گا۔ عربوں کو رام کرنے کے لیے اسرائیل سفارتی سطح پر متحرک ہو چکا ہے۔ وزیراعظم اسرائیل اومان کا دورہ کرچکا ہے۔ اسرائیلی وزیر کھیل نے گزشتہ دنوں متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا۔ ایک اسرائیلی وزیر قطر بھی جا چکا ہے، جبکہ کویت سے بھی تل ابیب رابطے میں ہے۔ دوسری جانب اسرائیل اور اس کی سرپرست عالمی استعماری قوتیں "نیا فلسطین" بنانے جارہی ہیں۔ اس سلسلے میں مصر کو راضی کیا جاچکا ہے، جو صحرائے سینا میں غزہ شہر کے رقبہ سے دگنا رقبہ خالی کردے گا، جہاں ایک نیا شہر بسایا جائے گا۔ شہر بستے ہی غزہ کی فلسطینی آبادی کو فی الفور وہاں منتقل کیا جائے گا، جس کے فوراً بعد نام نہاد عالمی برادری اسے فلسطینی ریاست تسلیم کرنے کا اعلان کردے گی۔ اس منصوبے کا خوفناک پہلو یہ ہے کہ اگر فلسطینی شہریوں نے غزہ چھوڑنے اور نئے فلسطین میں آباد ہونے سے انکار کیا تو انہیں غزہ سے زبردستی نکالنے کے لیے وہاں اقوام متحدہ کے فوجی دستے اتارے جائیں گے، جن کی غالب اکثریت عرب فوجی دستوں پر مشتمل ہوگی۔ اس منصوبے کے نقشے تیار ہو چکے ہیں اور فنڈز بھی مختص کیا جاچکے ہیں۔ لیکن اس کے اعلان کے لیے بھی مناسب وقت کا انتظار ہے کیونکہ علاقائی سطح پر ان دونوں منصوبوں کی راہ میں فی الحال سعودی عرب اور اردن رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

پاکستان میں پی ٹی آئی حکومت کی طرف سے تل ابیب کو تسلیم کیے جانے کی مہم چلائی جا رہی ہے جس کی گونج اب پاکستانی پارلیمنٹ میں بھی سنائی دینے لگی ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ پی ٹی آئی خاتون رکن اسمبلی کی طرف سے پارلیمنٹ میں اسرائیل کے حق میں کی گئی تقریر کو کئی روز گزر چکے ہیں، لیکن ملک کے کسی گوشے سے اس کے خلاف تا حال کوئی احتجاجی آواز بلند نہیں ہوئی۔ شاید عمران خان ایسا ہی نیا پاکستان چاہتا ہے۔ لیکن اسرائیل کو تسلیم کرنے کی مہم چلانے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ بے شک اسرائیل سے دوستی کی پینگیں بڑھانے کے لیے اچھلتے پھریں لیکن قومِ یہود کی تاریخ گواہ ہے کہ ان کی طرف جس نے بھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا، انہوں نے اسی کی جڑیں کاٹنی شروع کردیں۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو قومِ یہود اور کے دیسی وولایتی ٹاؤٹوں کی سازشوں اور شرور سے محفوظ رکھے۔

☆☆☆☆☆

دینی سیاسی جماعتوں کے نام–کونوا انصار اللہ

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

استدعا: وطن عزیز میں ہر آئے روز کے ساتھ دین مغلوب جبکہ مغربیت اور لادینیت ایک نہ تھمنے والے طوفان کی صورت میں مسلسل غالب ہو رہی ہے، نتیجتاً ہماری محبوب قوم اس دنیا میں بھی شریعت کی برکتوں سے محروم، انتہائی تنگی اور بے سکونی کی زندگی گزار رہی ہے اور خدشہ ہے کہ آخرت میں بھی وہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضگی اور ناکامی ونامرادی کا سامنا ہو، سیاسی دینی جماعتوں سے وابستہ ہمارے بھائی اس طوفان کے مقابل کیوں مکمل طور پر غیر مؤثر ہیں؟ پھر وہ کیا مطلوب اور آسان راہ عمل ہے کہ جس پر چل کر اللہ کے دین کی مدد ہو سکتی ہے؟

اس مختصر سے پیغام میں ان امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، دینی سیاسی جماعتوں سے وابستہ ہر قائد اور کارکن تک یہ پیغام پہنچانے کی استدعا ہے۔

جمہوریت نے اہل دین سے کیا چھینا...؟

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسول الله

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي

پاکستان کے میرے عزیز اہل دین بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پچھلی نشست میں ذکر ہوا کہ وطن عزیز میں اللہ کا دین انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ یہاں مذہبی سیاسی جماعتوں سے وابستہ ہمارے بھائی بے دینی کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی جگہ خود اس کی رو میں بہہ رہے ہیں اور یہ کہ یہ دینی جماعتیں باطل کا غلبہ اور اس کا تسلط شعوری یا لاشعوری طور پر تسلیم کر چکی ہیں۔ یہ بھی عرض کیا کہ اس صورت حال کے اسباب خارجی نہیں، داخلی ہیں۔ آج کی نشست میں ان شاء اللہ ان اسباب میں سے اہم ترین سبب جمہوریت پر بات ہوگی۔

عزیز بھائیو اور بزرگو!

کاش کہ جمہوریت کی برائی بس اتنی ہی ہوتی کہ اس کے ذریعے اسلام کو غلبہ ملنا ناممکن ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے! اس حقیقت سے کہ اس راستے سے اسلام غالب نہیں ہوتا، کوئی اندھا ہی انکار کر سکتا ہے، پاکستان، مصر، الجزائر، ترکی، تیونس بلکہ پورا عالم اسلام اس پر شاہد ہے، لہٰذا آج یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بتانے کی جو ضرورت ہے، احساس دلانے کی جو بات ہے اور جس کی وجہ سے ہم آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں کہ خدارا اس راستے کو چھوڑیے تو وہ یہ ہے کہ اس راستے پر جب اہل دین قدم رکھتے ہیں تو دین غالب کرنا تو بہت دور کی بات ہے، خود اُن کا اپنا دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس راستے کے باعث دین کا فروغ تو ناممکن ہے لیکن خود اہل دین بے دینی پھیلانے کا پھر سبب بنتے ہیں، ان کے ہاتھوں شر کی قوتوں کو تقویت ملتی ہے اور منکرات فروغ پاتے ہیں۔ یہ اس جمہوری سیاست کی شیطانیت ہے کہ شرعی فرائض اور دینی ذمہ داریاں بھی وہ بوجھ بن جاتی ہیں جن سے چھٹکارا پانے میں ہی پھر یہ اہلِ دین اپنی سیاسی کامیابی دیکھتے ہیں۔

میرے عزیز بھائیو!

باطل سے اجتناب، باطل کو باطل کہنا اور باطل کی مخالفت کرنا...اسی طرح منکر کو ببانگ دہل منکر کہنا، اس کے پھیلانے والوں سے تعلق توڑنا اور ان کے سامنے بند باندھنا...یہ ہر مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے اور ہر دینی جماعت کے وجود کا حقیقی مقصد بھی یہی ہے۔ مگر انتخابی سیاست کا ثمرہ دیکھیے، اس کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس میں خیر وشر یا حق و باطل 'دوستی اور دشمنی کے معیار نہیں ہیں، بلکہ دوستی اور دشمنی کا فیصلہ مفادات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ دین جب اس میں اترتے ہیں تو ظلم، بدکاری، بے حیائی اور کفریہ نظریات جیسے شر پھیلانے والوں کو روکنا تو دور کی بات، ان کے اس تمام تر فساد کو فساد کہنا بھی ان کے بس میں نہیں رہتا بلکہ ان فسادیوں کی حمایت چونکہ ان کی سیاسی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے انہیں راضی رکھنا پھر وہ اپنا مقصد بناتے ہیں۔

پھر عزیز بھائیو!

آپ جانتے ہیں کہ کفر واسلام کے درمیان جنگ ازلی ہے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے،

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا

"اور یہ کفار تم سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں"...

گویا کفار یہ جنگ اس وقت تک جاری رکھتے ہیں جب تک مسلمانوں کو وہ اپنے دین سے ہٹا نہ دیں، آج بھی امریکہ و مغرب بلکہ پورے عالم کفر کی اہل اسلام کے خلاف یہی جنگ ہے۔ فرق یہ ہے کہ آج عیسائیت یا کسی اور مذہب کی طرف دعوت نہیں دی جاتی، آج جس چیز کی طرف دعوت دی جاتی ہے، مسلمانوں کو بالعموم اور اہل دین کو بالخصوص جس طرف کھینچا جارہا ہے، وہ جمہوریت کی دلدل ہے، جمہوریت کی وہ دلدل کہ جہاں اہل دین کو جب پھنسایا جاتا ہے تو تب ہی جا کر اللہ کے دشمن، کفر کے ان سرداروں کو چین آتا ہے۔ یہی وجہ ہے آج صبح و شام اسی جمہوریت کی طرف بلایا جاتا ہے۔ امریکی صدر نکسن نے کہا تھا کہ

"امریکہ کے پاس دنیا کے لیے ایک ہی پیغام ہے اور اسی کے لیے وہ لڑتا ہے، اس کا ایک پہلو جمہوریت ہے اور دوسرا سرمایہ دارانہ (سودی) نظام"۔

آج مجاہدین سے عالم کفر کا یہی ایک مطالبہ ہے کہ بس جمہوریت میں شامل ہو جاؤ! یہ شمولیت جس عنوان سے بھی ہو، مسئلہ نہیں ہے...دینداری سے ہو یا بے دینی سے ...سب کچھ قبول ہیں۔ اسلام چاہتے ہو؟ شریعت کی بات کرتے ہو؟ تو مسئلہ نہیں ہے جمہوریت میں آجاؤ! داڑھی، عمامہ، نماز اور روزہ سب یہاں چلتا ہے، بس انتخابی سیاست میں ایک دفعہ اُتر آؤ!...اور اگر اس میں اُتر آئے۔ تو پھر سارے شکوے ختم، کوئی پریشانی پھر نہیں ہے، مطلوبین کی لسٹ سے نام خارج ہو جائے گا، اقوام متحدہ تک اپنی عنایتوں کے بند دروازے کھول دے گا اور تمام تر پابندیاں ہٹائی دی جائیں گی۔ افغانستان میں دیکھیے [1]، فلسطین، یمن، صومالیہ اور مالی ہر جگہ مجاہدین سے بس یہی ایک مطالبہ ہے۔ اب جمہوریت میں کیا ایسی بات ہے کہ جہاں 'اسلامی جمہوریت' کے علمبردار بھی عالمِ کفر کو اچھے لگتے ہیں...

جبکہ اسلام، امن، عدل و انصاف اور دیگر سب خیر موجود ہوں مگر جمہوریت نہ ہو، جیسے افغانستان میں امارت اسلامی کے دور میں تھا، تو یہ سب خیر بھی اسے قبول نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ جمہوریت میں ہمارے اہل دین بھائیوں کی سیاست بھی لادینوں سے مختلف نہیں رہی؟ اور کیا اسباب ہیں کہ اس راستے سے خیر گھٹتی ہے اور شر کو تقویت ملتی ہے؟ تو محترم بھائیو! وجہ یہ ہے، کہ اسلام قوت کے ذریعے سے معروف کو رائج کرنے اور منکر کو مٹانے کا درس دیتا ہے، یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے۔ جبکہ جمہوریت میں منکر کا بطور منکر رہنا اور پھیلنا منکر کا جمہوری حق ہے، کہتے ہیں جمہوریت کا اصول یہ ہے کہ، Book For Book، اور Tv Channel For Tv Channel، کوئی بہت بری کتاب لکھتا ہے، تو لکھنے دیں، پھیلنے دیں اس کتاب کو، آپ کو بری لگتی ہے تو مت پڑھیں، بہت بری لگی تو آپ اچھی کتاب لکھ لیں، کوئی بہت ہی گندا ٹی وی چینل ہے، بدترین فحاشی دکھاتا ہے، کفریہ نظریات پھیلاتا ہے، تو مسئلہ نہیں ہے آپ نہ دیکھیں، چینل بہت ہیں، آپ بہتر چینل دیکھیں، اگر آپ کو اس سے زیادہ تکلیف ہے اور آپ کے پاس استطاعت بھی ہے تو اپنا کوئی اچھا چینل کھولیں... مگر اس گندے چینل کو آپ قوت سے بند کر دیں، یہ آپ کے لیے جائز نہیں ہے، قانون آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتا! اس لیے کہ...وہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اس کا جمہوری حق ہے۔

یہ جمہوریت ہے کہ جہاں پاکی نے غلاظت کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے ایسے میں پھر غلاظت ہی بالآخر پھیلتی ہے، اس لیے کہ گندے بدبودار ماحول میں پاکی کب تک رہ سکتی ہے؟ یہ جمہوریت ہے کہ جہاں شر کے سامنے خیر کے ہاتھ پیر مکمل طور پر باندھ دیے جاتے ہیں! اسلام اس کا بالکل اُلٹ ہے، اسلام معاشرے کو پاک رکھنے پر زور دیتا ہے، فرد اور معاشرہ، سب کی ذمہ داری ہے کہ منکرات کا راستہ روکے اور گندگی اور غلاظت پھیلانے والوں کے ہاتھ پکڑے۔

پھر عزیز بھائیو!

اہم ترین اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ جمہوریت مشرق کی ہو یا مغرب کی، پاکستان کی ہو یا ہندوستان کی، اس کا محور و مرکز اللہ کی بندگی نہیں ہے، اللہ کی غلامی نہیں ہے بلکہ اللہ کی غلامی کی جگہ انسانوں کی غلامی ہے، یہاں تمام تر دوڑ دھوپ کا مقصد غالب طبقات کی خواہشات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جمہوریت لا الہ الا الانسان کی عملی تصویر ہے، یہاں انسان نما شیاطین کی خواہشات اور شہوات کی عبادت ہوتی ہے، جبکہ اسلام اللہ کے سامنے مکمل طور پر جھکنے کا نام ہے، یہ لا الہ الا اللہ ہر اس خواہش اور ہر اس تمنا سے دست برداری کا عہد ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

"ان کے درمیان ان اصولوں پر فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیے ہیں اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کرو، یعنی ان کی شہوات اور ناجائز میلانات کی طرف مت جھکو اور محتاط رہو ان سے کہ یہ تمہیں اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے دور کردیں"

میرے بھائیو! یہ اسلام ہے، یہ اللہ کا دین ہے جہاں اللہ کے احکامات کم علم اور انتہائی محدود نظر رکھنے والے انسان کی ناجائز خواہشات پر قربان نہیں کیے جاتے، بلکہ تمام تر خواہشات انسانوں کے خالق و مالک... اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اُس عظیم دین کے تابع کی جاتی ہیں جو سراسر حکمت اور منفعت والا دین ہے۔ اب ان تمام تر رحمانی اوامر کے برعکس جمہوریت کہتی ہے کہ لوگوں کے معاملات ان ہی کی مرضی کے مطابق چلاؤ، ان کی ہر جائز و ناجائز خواہش کے پیچھے چلو اور ڈرو اس وقت سے جب تم ان کی کسی چاہت کی مخالفت کر بیٹھو اور یہ تم سے ناراض ہو جائیں! گویا اللہ ناراض ہو تو ناراض ہو مگر یہ ناراض نہ ہوں!

الیکشن میں آپ نے دیکھا میرے بھائیو! مقصد و ہدف کیا تھا؟ کیا عوام کو شر سے بچانا مقصد تھا، انہیں خیر کی طرف بلانا اور خیر کے دفاع کی خاطر قربانی کے لیے تیار کرنا ہدف تھا یا خیر و شر میں تمیز کیے بغیر اچھے برے سب لوگوں کو راضی کرنے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کی یہاں کوشش ہو رہی تھی؟ میرے بھائیو! اللہ کا اعلان ہے، کہ

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ

"حاکمیت اللہ کی ہے، حکم اور امر اللہ کا چلے گا"۔

مگر جمہوریت کہتی ہے:

ان الحكم إلّا للشعب!

"حاکمیت اور حکمرانی عوام کی ہو گی"۔

کہتے ہیں: People are the supreme power۔ مرضی اور خواہش صرف عوام کی چلے گی۔ عوام کی اس اکثریت کی خواہش چلے گی کہ جس کی سادگی کا یہ حال ہے کہ جو بھی اچھی ڈگڈگی بجائے، وہ اسی کے پیچھے چل دوڑتی ہے... وہ اکثریت جس کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ

"اگر تم زمین میں موجود اکثریت کے پیچھے چلو گے تو تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے گی۔ (کیوں؟ اس لیے کہ) یہ صرف گمان کے پیچھے چلتی ہے اور اس کا کام صرف خیالی اندازے لگانا ہے"...

اب آپ لاکھ مرتبہ آئین میں اللہ کی حاکمیت کی ایک سطر لکھوا دیں، لاکھ مرتبہ اس غلیظ جمہوریت کے ساتھ اسلامی کا سابقہ لگا دیں، عملاً یہاں کیا ہے؟ کس کے احکامات فیصلہ کن ہیں؟ کس کے فیصلوں کی ایک ایک سطر کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے؟ کیا یہ حیثیت اللہ کی شریعت کو حاصل ہے؟ نہیں! یہ خاص ان چند افراد کو حاصل ہے جو دھونس، دھاندلی اور فریب کے ذریعے اپنے آپ کو عوام کا نمائندہ بناتے ہیں اور یہی وہ نام نہاد عوامی نمائندے پھر ہوتے ہیں کہ جن کی خواہشات جمہوریت کا "مقدس" آئین بناتی ہیں۔

پھر عزیز بھائیو! ایک اور نکتہ جس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے... وہ یہ کہ جمہوریت کو لاکھ عوام کی حکومت کہا جائے، یہ عوام کی حکومت قطعاً نہیں ہوتی بلکہ حقیقت میں یہ ان قوتوں کے غلبے کا نام ہے جو عوام کو قوت اور دجل و فریب کے ذریعے سے گمراہ کرتی ہیں۔ پاکستان میں دیکھیے، یہ قوتیں دین دشمن فوج اور لادین میڈیا کے سرمایہ داروں کی صورت میں یہاں موجود ہیں۔ فوج کے پاس لاٹھی کی قوت ہے جبکہ میڈیا کے پاس جھوٹ اور جادو کی صلاحیت ہے اور دونوں عوام کو قابو کرتی ہیں۔ لہٰذا اسمبلی میں سیٹیں اگر لینی ہوں، ایوان اقتدار کے چند روزہ مزے اگر لوٹنے ہوں یا کم از کم کرسیٔ اقتدار کی دوڑ میں شامل اگر رہنا ہے تو فوج اور میڈیا کو خوش رکھنا لازم ہے۔ آج آپ کے سامنے ہے، وزیر اعظم کون بنا؟ کیسے بنا؟ کیا فوج کی لاٹھی اور میڈیا کے جادو کے بغیر یہ ڈرامہ ممکن تھا؟ اس حقیقت کا ادراک ہی ہے کہ پاکستان میں ہمارے سیاسی اہلِ دین حضرات بھی آج فوج اور سیکولر میڈیا کو راضی رکھنا اپنا مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ فوج کے بدترین مظالم ہوں، اس کی شریعت دشمنی کے عالی شان معرکے ہوں یا سیکولر میڈیا کے حیاسوز اور اسلام مخالف حملے، ان سب کے باوجود ہمارے یہ دیندار سیاسی بھائی ان طبقات کے ساتھ راضی بہ رضا نظر آتے ہیں۔

عزیز بھائیو!

آج پاکستان میں سیکولرز اسلامی معاشرت کو اس کی بنیادوں تک سے اکھاڑ رہے ہیں اور اسلام پر ہر جانب سے حملہ آور ہیں مگر ان کے سامنے ہمارے یہ اہل دین سیاسی بھائی سر

جھکائے اپنی صفائیاں پیش کر رہے ہیں، وہ ان لادینوں کے سامنے ایسے معذرت خواہ ہیں جیسے نعوذ باللہ دینداری کی یہ پہچان ہی ان کا وہ سنگین ترین جرم ہے کہ جس کو چھپانے میں ہی کامیابی ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ کسی طرح یہ سیکولر اور دین دشمن بھی انہیں اپنا حامی سمجھیں، یعنی جنہیں انہوں نے دعوت دینی تھی، جن کے فساد کا انہوں نے مقابلہ کرنا تھا، اُن سے یہ آج اپنی دعوت تک چھپاتے ہیں اور ان کی ناراضگی سے بچنا اور ان کی حمایت حاصل کرنا یہ کامیابی کا راستہ سمجھتے ہیں!! کچھ عرصہ پہلے ایک دینی جماعت کے قائد کا ایک سیکولر ادارے نے انٹرویو کیا، پوچھا گیا 'سیکولرازم کیا ہے' تو محترم بولے:

"میری عوام کا مسئلہ سیکولرازم نہیں ہے، غربت، بے روزگاری اور بنیادی ضروریات سے محرومی ہی میری عوام کا مسئلہ ہے"۔

یا اللہ! یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک دینی قائد بھی یہ بات کہہ سکتا ہے!!! ایک وقت تھا جب سیکولرازم اور لادینیت ہی دینی جماعتوں کے نشانے پر ہوتی تھی اور وہ اللہ سے اس دوری اور دین دشمنوں کے اس تسلط کو ہی غربت، بے روزگاری اور بدامنی کا اصل سبب بتاتے تھے۔ مگر آج حال دیکھیے کہ خود دینی جماعتوں کے قائدین سیکولرازم کو مسئلہ تک کہنے کے لیے تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ قائد سے جب پاکستان میں موجود مسائل کا حل پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

" قانون کی حکمرانی، وسائل کی منصفانہ تقسیم اور کرپشن سے پاک معاشرہ"...!!

اب یہی حل تو سیکولر جماعتیں بھی بتاتی ہیں تو پھر دینی اور سیکولر جماعتوں کے مقاصد میں کیا کوئی فرق نہیں رہا؟ افسوس میرے بھائیو! ایک دور تھا جب سیکولرازم اور لادینیت کا خاتمہ ہی ہماری دینی جماعتوں کا ہدف ہوا کرتا تھا جبکہ آج اس جمہوریت ہی کا ثمرہ ہے کہ خود ہمارے دیندار سیکولرازم کا شکار نظر آ رہے ہیں، اور افسوس کہ یہ تمام تر مداہنت بھی دین کی نصرت کے نام پر ہو رہی ہے، اس تمام تر باطل سیاست کے لیے بھی اصطلاح "دعوتی مصلحت" استعمال ہو رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ جس مصلحت کی یہاں بات ہو رہی ہے اس کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں اس مقام پر تفسیر فی ظلال قرآن کے شہید مفسر سید قطب رحمہ اللہ کا قول نقل کرنا ان شاء اللہ فائدے سے خالی نہیں ہو گا، آپ رحمہ اللہ شرعی حدود و قیود سے آزاد ایسی دعوتی مصلحت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"...'دعوت کی مصلحت' نامی یہ اصطلاح داعی کو اپنی لغت سے مٹانی چاہیے اس لیے کہ یہیں سے شیطان وار کرتا ہے، یہاں سے وہ داعی کو پھسلاتا اور گراتا ہے، یہیں سے شیطان اسے دعوت اور دین کے فائدہ کے نام پر در حقیقت شخصی مفاد اور مصالح کا راستہ دکھاتا ہے، یوں دعوت کی مصلحت ایسے بت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کی پھر یہ دیندار عبادت کرتے ہیں جبکہ وہ اصل دعوت اور واضح منہج کو کہیں بھول جاتے ہیں، داعیانِ دین پر لازم ہے کہ وہ اس دین کی دعوت کے اس اصل راستے کے ساتھ جڑیں جو اللہ نے بھیجا ہے، ان پر واجب ہے کہ بس وہ اس منہج پر گامزن رہیں اور یہ نہ دیکھیں کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ اس لیے کہ بدترین خطرہ جو اس راستے میں آ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ داعی دعوت کے صحیح منہج سے منحرف ہو جائے، یہ انحراف ہی اصل تباہی ہے چاہے یہ بڑا ہو یا چھوٹا اور چاہے جس وجہ سے بھی ہو۔ اس لیے کہ دعوت کا فائدہ اور نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے، داعی کو اللہ نے ایسے کسی فائدے کا پابند نہیں کیا ہے جس کا اللہ نے اسے حکم نہ دیا ہو، داعی کو اللہ نے ایک ہی بات کا مکلف اور پابند کیا ہے اور وہ یہ کہ دعوت کے اصل راستے سے منحرف نہ ہو اور ایک لمحے کے لیے بھی اس سے جدا نہ ہو!"

عزیز بھائیو! جمہوری سیاست میں موجود بھائی اپنے سفر کے کچھ فوائد گنواتے ہیں اور کچھ کارناموں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت میں کارنامے ہیں اور اگر بالفرض یہ کارنامے ہیں تو کیا ان کا سبب انتخابی سیاست ہے؟ اس نکتے پر ان شاء اللہ تیسری نشست میں بات ہو گی۔

جزاکم اللہ خیرًا

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

والسلام عليكم ورحمةالله وبركاته

☆☆☆☆☆

دینی سیاسی جماعتوں کے نام–کونوا انصار اللہ

تیسری قسط

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

استدعا: وطن عزیز میں ہر آئے روز کے ساتھ دین مغلوب جبکہ مغربیت اور لادینیت ایک نہ تھمنے والے طوفان کی صورت میں مسلسل غالب ہو رہی ہے، نتیجتاً ہماری محبوب قوم اس دنیا میں بھی شریعت کی برکتوں سے محروم، انتہائی تنگی اور بے سکونی کی زندگی گزار رہی ہے اور خدشہ ہے کہ آخرت میں بھی وہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضگی اور ناکامی و نامرادی کا سامنا ہو، سیاسی دینی جماعتوں سے وابستہ ہمارے بھائی اس طوفان کے مقابل کیوں مکمل طور پر غیر مؤثر ہیں؟ پھر وہ کیا مطلوب اور آسان راہ عمل ہے کہ جس پر چل کر اللہ کے دین کی مدد ہو سکتی ہے؟

اس مختصر سے پیغام میں ان امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، دینی سیاسی جماعتوں سے وابستہ ہر قائد اور کارکن تک یہ پیغام پہنچانے کی استدعا ہے۔

جمہوری سیاست... اہل دین کی طاقت کا سبب ہے یا... کمزوری کا؟!!

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسول الله

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي

عزیز اہل دین بھائیو اور بزرگو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جمہوریت میں اہلِ دین کی شمولیت کیا ان کی تقویت کا باعث ہے یا کمزوری کا؟ دوسرا یہ کہ کیا کوئی نظام جمہوریت کے ذریعے سے تبدیل ہو سکتا ہے؟ ان دو نکات پر ان شاء اللہ اس نشست میں بات ہو گی، اللہ اپنی رضا والے راستے اور عمل کی طرف ہم سب کی رہنمائی فرمائے، آمین۔

عزیز بھائیو!

ہمارے دینی سیاسی حلقوں کا موقف ہے کہ انتخابی سیاست نے انہیں تقویت دی ہے۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ قرارداد مقاصد اگر یہاں پاس ہوئی ہے، قادیانیوں کو اگر کافر قرار دیا گیا ہے اور ۷۳ء کا آئین وجود میں آیا ہے، کہ جس میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار کیا گیا ہے اور یقین دہانی بھی دی گئی ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنے گا، تو یہ سب کارنامے انتخابی سیاست کا ثمرہ ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اول تو یہ سب کارنامے نہیں ہیں بلکہ یہ اس نظام کے دجل پر مبنی نمائشی اقدامات ہیں، اس لیے کہ ان تمام تر اقدامات کے باوجود نفاذِ شریعت کی طرف کوئی ایک قدم آگے نہیں بڑھایا جاسکا، بلکہ عملاً ہم وہاں سے بھی کہیں پیچھے چلے گئے ہیں جہاں سے سفر شروع ہوا تھا۔ کیوں...؟ اس لیے کہ پاکستان کی تاریخ اور اس کی موجودہ صورت حال شاہد ہے کہ ان اقدامات کے سبب اہلِ دین کی قوت تحلیل ہوئی ہے، انہیں جمہوری بھول بھلیوں میں پھنسایا گیا ہے، منکرات روکنے اور معروف رائج کرنے کے میدان میں وہ آج مکمل طور پر غیر مؤثر بن گئے ہیں اور باطل کی سطوت اور غلبہ میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

عزیز بھائیو و بزرگو!

پہلے ان اقدامات کے نمائشی ہونے پر بات کرتے ہیں۔ قرارداد مقاصد کو لیجیے اس میں کہا گیا ہے کہ حاکمیت اللہ کو حاصل ہے اور کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنے گا مگر ۵۶، ۶۲ اور پھر ۷۳ کے آئین بناتے وقت اور بعد میں اس میں ترامیم کے دوران قرآن و سنت کی طرف بالکل التفات ہی نہیں کیا گیا، کئی اہم شقیں قرآن و سنت کے صریح خلاف ہیں، پھر کئی شقیں ایسے چور دروازے فراہم کرتی ہیں کہ جن کے نتیجے میں یہاں ایسا نظام قانون رائج ہے کہ جو لادینیت کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور اسلامی شقوں کو عملاً غیر مؤثر کرتا ہے۔ جب اس تضاد کا سبب پوچھا گیا تو جواب ملا... کہ یہ قرارداد مقاصد اور اسلام مخالف شقیں سب برابر حیثیت کی ہیں، کوئی ایک دوسری کو ختم نہیں کر سکتی، کسی ایک کو دوسری شق پر برتری حاصل نہیں ہے، ہر دو قسم کو پارلیمنٹ کی دو تہائی اکثریت نے پاس کیا ہے اور پارلیمنٹ کی دو تہائی اکثریت ہی تبدیلی لانے کا حق رکھتی ہے! گویا کیا جائز ہے اور کیا ناجائز، کیا حلال ہے اور کیا حرام اس کا فیصلہ پارلیمنٹ کرتی ہے۔ اس کا اس کے علاوہ کیا مطلب ہے کہ یہاں اللہ کی حاکمیت نہیں ہے، شریعت کی حاکمیت نہیں ہے بلکہ دو تہائی پارلیمنٹ کی حاکمیت ہے۔ اللہ کے احکامات کو ماننے اور انہیں نافذ کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ یہ اللہ کے احکامات ہیں بلکہ اس کے لیے اراکین اسمبلی کی رضامندی ضروری ہے، اگر تو ان کی خواہش نفس پر وہ پورے اترے، اور ان کی طرف سے ان احکامات کو سند منظوری عطا ہوئی تو ٹھیک ہے قانون بن جائے گا ورنہ شریعت کے مقابل ان نام نہاد عوامی نمائندوں کی خواہش ہی یہاں حاکم ہو گی۔ قادیانیوں کا معاملہ دیکھیے، قادیانی زندیق ہیں، اسلام کے نام پر اپنا کفر پھیلاتے ہیں اور شرعاً انہیں اسلامی ملک

میں رہنے کا کوئی حق نہیں مگر یہاں انہیں کافر قرار دیا گیا اور اقلیتوں کے حقوق سے نواز کر ان کی بھرپور حفاظت کی گئی۔ آج وہ اپنے علاوہ سب کو کافر کہتے ہیں، اہم حکومتی مناصب پر فائز ہیں اور کھلم کھلا اپنا یہ کفر 'اسلام کے نام پر پھیلا رہے ہیں۔ غرض یہ تمام اقدامات دراصل اسلام کے ساتھ مذاق اور اہل دین کے ساتھ دھوکہ ہیں اور اس دھوکے کا مقصد اس کے سوا کوئی نہیں کہ اس کے ذریعے سے اہل دین کو نظام باطل کا وفادار و محافظ بنایا جائے اور نفاذ اسلام اور منکرات روکنے کی کسی بھی سنجیدہ تحریک سے انہیں روک دیا جائے۔

عزیز بھائیو! یہ حقائق ہیں مگر بات آگے بڑھانے کی خاطر... اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ یہ اہل دین کی فتوحات ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ فتوحات آپ کو انتخابی سیاست نے دی ہیں؟ آپ نے زیادہ ووٹ لیے، تو آئین ان شقوں سے مزین ہوا، یا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے؟، حقیقت یہ ہے کہ یہ برائے نام تبدیلیاں بھی اس وقت آپ لا سکے جب آپ عوام کو نہی عن المنکر کے عنوان سے سڑکوں پر لے آئے، انہوں نے نفاذ شریعت کی خاطر گولی اور لاٹھی کھائی اور حکمرانوں کے راستے میں وہ رکاوٹ بنے۔ ان کامیابیوں کا باعث پارلیمنٹ میں آپ کی عددی قوت نہیں تھی، بلکہ پارلیمنٹ سے باہر آپ کی یہ احتجاجی مزاحمت ہی تھی کہ جس سے حکمران طبقہ کچھ دو کچھ لو پر مجبور ہوا۔ قرارداد مقاصد جب ۱۹۴۹ء میں پاس ہوئی تو اس وقت آپ کی کتنی سیٹیں تھیں؟ اس وقت تو دستور ساز اسمبلی میں آپ کے پاس صرف ایک سیٹ تھی۔ ۱۹۷۳ء کا آئین بنا تو اس وقت آپ کی جماعتیں بدترین شکست سے دوچار تھیں، پھر نظام مصطفی کے نفاذ کے نام سے آپ نے نہی عن المنکر کی جو تحریک چلائی تھی اس کا خوف ہی تھا کہ آئین میں یہ اسلامی دفعات شامل کی گئیں ...اور یہ دفعات کس کے ہاتھوں شامل ہوئیں؟ کس نے ۷۳ء کا یہ نام نہاد اسلامی آئین منظور کروایا؟ اس دھوکے کی 'سعادت' اس وزیر اعظم اور اس کی پارٹی کو حاصل ہے جس کی دین دشمنی اور مکاری پر آپ سب متفق ہیں۔ اس طرح قادیانیوں کو جب کافر قرار دیا گیا تو اس وقت پارلیمنٹ میں آپ کی کتنی تعداد تھی!؟ اس وقت آپ کی تعداد برائے نام تھی، مگر آپ کا مطالبہ مانا گیا، اسمبلی کے اندر آپ کے نظریاتی و سیاسی مخالفین نے آپ ہی کے حق میں ووٹ ڈالے۔ اب آپ بتائیں، ان مخالفین نے آپ کی حمایت کیوں کی؟ کیوں آپ کے سامنے یہ گھٹنے ٹیکے گئے؟ گھٹنے جو ٹیکے گئے... تو یہ ''ختم نبوت'' تحریک کے سبب اور ''ختم نبوت'' کی تحریک بیلٹ بکس کی تحریک نہیں تھی، یہ صندوقچیوں میں کاغذ ڈلوانے کی مہم نہیں تھی، بلکہ یہ نہی عن المنکر کی تحریک تھی، یہ وہ تحریک تھی جس میں عوام نے قربانی دی، خون پیش کیا اور ایک ایک دن میں کئی مسلمان شہید ہوئے۔

دوسری طرف اس کا اُلٹ دیکھئے، ایک وقت ایسا بھی آیا جب آپ کے پاس اپنی تاریخ کی سب سے زیادہ سیٹیں تھیں، ۲۰۰۲ء کے الیکشن میں آپ نے قومی اسمبلی کی ۶۳ سیٹیں حاصل کیں، سرحد میں مکمل طور پر آپ کی حکومت تھی اور بلوچستان کی حکومت آپ کی شراکت کے سبب قائم تھی۔ یہ ایسی فتح تھی جو نہ پہلے کبھی ملی، اور نہ آئندہ اس کا امکان ہے۔ اب اس وقت نفاذِ اسلام کی طرف آپ نے کون سی پیش رفت کی؟ کیا کوئی ایک قانونی اور آئینی اصلاح آپ کر سکے؟...

سچ یہ ہے کہ یہ کامیابی بھی آپ کو افغانستان پر امریکی حملے اور امارت اسلامیہ کے سقوط کے سبب ملی تھی، عوام سراپا احتجاج تھی، سرحد، قبائل اور بلوچستان کی عوام میں غم و غصہ تھا اور ان حالات میں جرنیلوں کے لیے پاکستان کی زمین پر امریکہ کی خدمت آسان نہیں تھی، لہٰذا اس احتجاج کو ٹھنڈا کرنا ضروری تھا، اسی فضا میں یہ الیکشن ہوا، اس میں طالبان طرز کی حکومت قائم کرنے کے وعدے کیے گئے اور عوام نے بھی اس نعرے پر آپ کی حمایت کی۔ لیکن جب آپ ایوانوں میں پہنچے تو احتجاج پھر احتجاج نہیں رہا، ان پانچ سالوں میں پھر حکومت اور فوج نے بدترین جرائم کیے، جس پارلیمنٹ میں آپ کی بڑی تعداد تھی، اس میں حقوق نسواں کے تحفظ کے نام سے وہ بل پاس ہوا جسے خود آپ نے زنا بل کا نام دیا اور جس کی بدولت زنا بالرضا عملاً کوئی قانونی جرم نہیں رہا، اسی دوران بدکاری، فحاشی اور دین بیزاری کو میڈیا میں ترویج ملی، لبرل ازم اور روشن خیالی کے مظاہرے ریاستی سرپرستی میں ہونے لگے، پاکستانی فوج امریکہ کی دست و بازو بنی، یہاں ہر اہم شہر میں سی آئی اے کے مراکز قائم ہوئے، شہر شہر امریکیوں کے ہاتھوں اہل دین کی گرفتاریاں ہونے لگیں، پاکستان سے افغانستان پر ۵۷ ہزار فضائی حملے ہوئے، نصرتِ جہاد کے جرم میں قبائلی مسلمانوں پر آگ و بارود کی بارش شروع ہوئی، نیٹو کنٹینرز ہماری سڑکوں سے ہماری حفاظت میں افغانستان جانے لگے، لال مسجد کا وہ اندوہناک واقعہ ہوا جس میں ہماری بہنیں اور بیٹیاں فاسفورس بموں سے جلائی گئیں، مگر اس سب کچھ کے راستے میں کیا آپ کوئی ایک رکاوٹ کھڑی کر سکے؟ ایک مکمل خاموشی تھی، کیوں؟ سب واضح ہے، پارلیمنٹ کی یہ سیٹیں تھیں جو ہاتھوں کی ہتھکڑیاں اور پاؤں کی بیڑیاں ثابت ہوئیں۔ وزارتوں اور

سیٹوں کے سبب زبانوں تک پر تالے لگ گئے۔یوں منکر روکنے اور باطل کے سامنے ڈٹنے کی جو طاقت تھی وہ باطل کے سامنے مداہنت، پھر مفاہمت اور بالآخر تعاون میں تبدیل ہو گئی......

یہ اس جمہوری راستے کے حقائق ہیں اور ان جیسے دیگر سب حقائق واضح کرتے ہیں کہ اہل دین کی طاقت جمہوری سیاست میں بالکل نہیں ہے، جمہوری سیاست وہ قوت دیتی نہیں بلکہ چھینتی ہے جس سے دین کا دفاع ہو اور بے دینوں اور دین دشمنوں کا راستہ روکا جاسکے۔اس کے برعکس عوام کو نیکی کے دفاع میں اٹھانا، منکر کے راستے میں حائل کرنا اور انہیں قربانی کے بے لوث جذبے سے سرشار رکھنا یہ وہ عمل ہے جو دینی جماعتوں کو بغیر کسی شک وشبہ کے طاقت بخشتا ہے۔

عزیز بھائیو!

پھر دنیا بھر کی تاریخ دیکھیے، یہ ایک حقیقت ہے کہ جمہوریت کے اندر انتقال اقتدار ہوتا ہے، افراد کے چہرے تو بدل جاتے ہیں مگر اس سے جبر و قوت پر مبنی پہلے سے مسلط نظام بھی تبدیل ہو، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔نظام کی تبدیلی، یعنی اوپر سے لے کر نیچے تک مکمل ایک نیا نظام لایا جائے اور پہلے سے مسلط طبقات اور افکار سے چھٹکارا حاصل ہو، یہ ووٹوں کی گنتی سے نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے، اس کے لیے ایک ایسی قوت درکار ہوتی ہے، ایسی طاقت جمع کرنی ہوتی ہے جو باطل کے تسلط کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔اسلامی تاریخ آپ کے سامنے ہے، سیرت ہمارے لیے نمونہ عمل ہے، مشرکین مکہ جب حق کی مخالفت پر ڈٹے رہے اور غلبہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالغ رائے دہی سے مکہ پر فتح نہیں پائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قوت جمع فرمائی، بدر و احد سے گزرے اور آخر کار فتح مکہ کا وہ موقع آیا جب رکاوٹ ہٹ گئی اور لوگ جوق در جوق پھر اسلام میں داخل ہوئے۔

عزیز بھائیو! تکوینی اصول ہے کہ مخالف قوت کا مقابلہ قوت سے ہوتا ہے، اللہ نے امور کائنات چلانے کے لیے یہی اصول مقرر کیا ہے اور یہ مسلمان اور کافر سب کے لیے ایک اصول ہے۔یہی وجہ ہے کہ عالم کفر میں بھی جو بڑی تبدیلیاں آئی ہیں، یہ خالی خولی افکار یا پرامن جدوجہد سے نہیں آئیں، افکار کے ساتھ قوت جب استعمال ہوئی تو رکاوٹیں ہٹیں اور تبدیلی آئی۔انقلاب فرانس کو دیکھیے، یہ وہ واقعہ ہے کہ جس سے وہاں جمہوری نظام قائم ہوا۔مگر کیا یہ جمہوری نظام بھی ووٹوں کی گنتی سے لایا گیا؟ کیا یہ عدم تشدد کی پالیسی کے سبب یہ تبدیلی آئی؟ نہیں، مسلط طبقات کے ساتھ ٹکرایا گیا، جانیں دی گئیں اور تب کہیں جا کر نیا نظام قائم ہوا۔ہمارے پڑوس میں رافضی انقلاب بھی آپ کے سامنے ہے، یہاں بھی ووٹوں کی گنتی سے پچھلا نظام نہیں ہٹا، بلکہ یہ قوت تھی، انقلاب تھا کہ جس کے سبب تبدیلی آئی۔

ہمارا پاکستانی نظام اگر وجود میں آیا ہے تو یہاں سن ۱۹۴۷ء میں ووٹوں کی گنتی سے یہ قائم نہیں ہوا، ۱۹۴۷ء میں نظام بدلا ہی نہیں ہے بلکہ پہلے سے قائم نظام کے اندر انتقال اقتدار ہوا ہے، اس سال محض چہرے بدلے ہیں، نظام وہی کا وہی رہا، فوج، تعلیم، سیاست اور قانون سارا نظام وہی انگریزی رہا۔نیا نظام اگر برصغیر میں قائم ہوا ہے تو یہ انگریزوں نے قائم کیا ہے، اور انگریز نے افہام و تفہیم، مذاکرات یا پرامن ذرائع سے اپنا نظام قائم نہیں کیا۔اس نے قوت و طاقت کا استعمال کیا، بندوق اور بارود سے ہر اس رکاوٹ کو گرا پھینکا جو اس کے راستے میں حائل ہوئی اور تب کہیں جا کر اپنا نظام ہمارے اوپر مسلط کر سکا۔لہٰذا مقصد ہمارا یہ ہے کہ یہ عقل، تاریخ اور اسلام ہر پیمانے سے بالکل غلط بات ہے کہ جبر و طاقت کی بنیاد پر کوئی باطل نظام مسلط ہو، پھر وہ جمہوری جدوجہد کے ذریعے تبدیل ہو اور اس کی جگہ اس کا بالکل اُلٹ رحمانی عدل پر مبنی اسلامی نظام قائم ہو۔

عزیز بھائیو! اب ایسے میں آپ کا کوئی خیر خواہ آپ کو نظام باطل ہی کی کھینچی گئی ان لکیروں پر حرکت کرنے، جمہوریت ہی کے ساتھ چمٹنے اور اسی کا ساتھ وفادار رہنے کی تاکید اگر کرتا ہے، تو انتہائی معذرت کے ساتھ ہم عرض کریں گے کہ ایسے ناصحین اس نظامِ باطل کی عظمت اور غلبے کو ایک مسلم حقیقت کے طور پر تسلیم کر چکے ہیں اور ہمیں خدشہ ہے کہ ان کے دلوں میں خیر کے فروغ اور شر کی روک تھام کا عزم بھی شاید اب نہیں رہا ہے، یہ عزم اور ارادہ اگر ہوتا تو حقائق تسلیم کیے جاتے اور بصیرت و بصارت کی بنیاد پر صحیح راستہ اپنایا جاتا۔

اب عزیز بھائیو! حل کیا ہے؟ شریعت کو کیا مطلوب ہے اور وہ کیا طریقہ کار ہو سکتا ہے کہ جس پر چل کر ہم خود بھی بے دینی سے بچ سکیں اور اپنی قوم کو بھی شریعت کی برکتوں سے بہرہ ور کر سکیں۔اس موضوع پر ان شاء اللہ اگلی اور آخری نشست میں بات ہو گی۔

جزاكم الله خيرًا

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

☆☆☆☆☆